15 تا 21 مئی 2008ء/9 تا 15 جمادی الاولیٰ 1429ھ

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے

اسلام: عدل اجتماعی کا علمبردار

نظام کی تبدیلی کیا اور کیسے؟

انقلابِ ایران کے محرکات

ایک بیٹی، ایک بہو کا خط

عظمت کا لمحہ

دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

عالم اسلام

مسلمان حکومتوں کا انحراف

مسلمان حکومتیں آج عدالت، سیاست اور انتظام ہر لحاظ سے اسلامی شریعت سے منحرف ہو چکی ہیں۔ اسلام کے بنیادی اصولوں کو اُنہوں نے اس طرح فراموش کر دیا ہے کہ آج آزادیٔ فکر، مساوات اور انصاف کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے۔ اسلام کے واجبات کو اُنہوں نے نظر انداز کر رکھا ہے۔ ملتِ مسلمہ میں اتحاد، خیر خواہی اور باہمی تعاون کے جذبات کا خطرناک حد تک فقدان ہے۔ یہ حکومتیں ظلم، وحشت اور بربریت پر دلیر ہوگئی ہیں۔ معاشرے کی عمارت کو فساد، تخریب کاری، گناہ اور نافرمانی، بغاوت اور سرکشی کی بنیادوں پر استوار کر رہی ہیں۔ ان لوگوں نے اسلام کے دشمنوں کو اپنا دوست بنا لیا ہے، حالانکہ اسلام ایسی دوستیوں کا سختی سے مخالف ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے معاملات میں اپنے ان کافر دوستوں کی آراء سے فیصلے کرتے ہیں، حالانکہ یہ اطاعت اُن کے لیے قطعاً جائز نہیں۔ اس لیے مسلمان حکمران اسلام کی موجودہ حالت کے لیے دوسرے تمام لوگوں سے بڑھ کر جوابدہ ہیں۔ ہوسکتا ہے وضعی قوانین انہیں جوابدہی سے مستثنیٰ کر دیں، لیکن اللہ کے ہاں انہیں ہر چھوٹے سے چھوٹے اور ہر بڑے سے بڑے عمل کے لیے جوابدہی کرنی ہوگی۔

عبدالقادر عودہ شہیدؒ

الھدیٰ (321)

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ الانعام

(آیت 122)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۲۲)﴾

’’بھلا جو پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اُس کو زندہ کیا اور اُس کے لئے روشنی کر دی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کہیں اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں پڑا ہوا ہو اور اُس سے نکل ہی نہ سکے۔ اسی طرح کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ انہیں اچھے معلوم ہوتے ہیں۔‘‘

تو بھلا جو کوئی تھا مردہ پس ہم نے اُسے زندہ کر دیا۔ اس سے مراد معنوی حیات اور معنوی موت ہے۔ دیکھئے، ایک شخص اللہ سے غافل ہے، دنیا کا بندہ بنا ہوا ہے تو ایسے شخص کی انسانیت مردہ ہے۔ وہ محض حیوان کی حیثیت سے زندہ ہے، بحیثیت انسان مردہ ہے۔ پھر جب اللہ نے اُس کو ہدایت دی اور اُس کو ایمان کی دولت میسر آ گئی تو اب وہ زندہ ہو گیا۔ اور ہم نے دی اُس کو روشنی دی یعنی کتاب ہدایت اُس کے سامنے آ گئی اور اب وہ اس کو لے کر وہ لوگوں کے مابین چل رہا ہے۔ یہ شخص اس آدمی کی طرح کیونکر ہو جائے گا جو اندھیروں میں بھٹک رہا ہو اور اس سے نکلنے والا ہے ہی نہیں؟ وہ شخص کہ جس کو پہلے توجہ نہ تھی لیکن پھر اللہ نے نور ہدایت سے سرفراز فرمایا، تو اب وہ آگے بڑھ رہا ہے، سرفروشیاں کر رہا ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ کہ پہلے چھ سال بے خیالی، بے توجہی میں گزر گئے، مگر بعد ازاں اسلام ہی اُن کا سب کچھ بن گیا۔ دوسری طرف ابوجہل اور ابولہب تھے کہ ساری عمر انہوں نے اندھیاروں میں ہی گزار دی۔ ظاہر ہے کہ یہ دو کردار آپس میں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ ان کے لئے مزین کر دیے گئے ہیں۔ وہ اپنی بداعمالیوں میں مگن اور مدہوش ہیں، اور انہیں اپنے بُرے اعمال بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جنت کی ضمانت

عَنْ ثَوْبَانَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ تَكَفَّلَ لِيْ اَنْ لَا يَسْاَلَ النَّاسَ شَيْئًا اَتَكَفَّلُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ" فَقُلْتُ: اَنَا: فَكَانَ لَا يَسْاَلُ اَحَدًا شَيْئًا)) (رواہ ابوداؤد)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص مجھے اس کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے سوال نہیں کرے گا، میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں!‘‘ میں نے عرض کیا۔ میں آپؐ سے اس کا عہد کرتا ہوں۔ اس کے بعد ثوبانؓ نے کسی سے کچھ نہیں مانگا۔‘‘

تشریح: ’’اسلام میں اس بات کو ناپسند کیا گیا ہے کہ انسان دوسروں پر بوجھ بن جائے اور دست سوال دراز کرتا پھرے۔ اس کے برعکس نیکی یہ ہے کہ دوسروں کے کام آیا جائے۔ سوال کرنے سے حیا جاتی رہتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ چنانچہ جب آپؐ کسی کو بھیک مانگتا دیکھتے تو اُسے اپنے ہاتھ سے محنت کر کے روزی کمانے کی تلقین کرتے۔ سوال کرنے کی آپؐ نے اس قدر مذمت فرمائی کہ آپؐ کے ساتھی اس معاملے میں اس قدر محتاط ہو گئے کہ اگر کسی سوار کا چابک گر جاتا تو وہ کسی سے سوال کرنے کے بجائے خود سواری سے اتر کر اپنا چابک اٹھاتا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے

قارئین کرام! ندائے خلافت کا یہ شمارہ جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اس میں اسلام کی ایک عظیم بیٹی اور ہمالیائی عزیمت کے حامل شوہر ڈاکٹر ارشد وحید شہید کی عظیم بیوی کا خط ''ایک بیٹی، ایک بہو کا خط'' کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے۔ خط کو ندائے خلافت میں شائع کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد اس اداریٔ تحریر کے لیے قلم اٹھانا ہمارے لیے انتہائی دشوار ہو رہا تھا۔ سچ یہ ہے کہ قلمکاری اگر ایک پیشہ ہو اور پیٹ کی مجبوری ہو تو لکھاری کی مجبوری ہے کہ وہ یہ مزدوری کرے اور ہمارے نزدیک اگر پیشہ ورانہ صحافتی ذمہ داری دیانت داری سے ادا کی جائے تو بھی ہم خرما و ہم ثواب والا معاملہ ہے اور اگر یہ ذمہ داری اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کے لیے مشنری جذبہ سے ادا کی جائے تو اگرچہ اصولی بات یہ ہے کہ رسپانس کے حوالہ سے یہ محسوس کرنے کے باوجود کہ وہ پتھریلی دیوار سے سر ٹکرا رہا ہے، جدوجہد پوری استقامت سے جاری رہنی چاہیے لیکن چونکہ انسان بہرحال انسان ہے گوشت پوست کا بنا ہوا، جذبات و احساسات کا ایک سمندر اس کے اندر موجزن ہوتا ہے۔ ہم بھی اس عظیم خاتون کا خط پڑھ کر سوچنے پر مجبور ہوئے کہ اگر فرزندانِ اسلام اس تحریر کو بھی ہضم کر جاتے ہیں اور ان کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو پھر ہمارے سیاہ کردہ صفحات کی کیا حیثیت ہے۔ اندازہ کیجیے، ہمارے معاشرے میں ڈاکٹری کیسا باعزت اور قابل رشک پیشہ ہے، اس میں کتنی دنیوی کشش ہے۔ پھر اس دولت پرست معاشرے میں جہاں روپے پیسے کی چمک سب کی (الا ماشاء اللہ) آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے، دولت کے لیے ڈاکٹر کی حیثیت ہمارے ہاں ایک مقناطیس کی سی ہے۔ کراچی جو پاکستان کا سب سے گنجان اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر ہے وہاں سے ڈاکٹر ارشد مع اہل و عیال انتہائی پسماندہ قبائلی علاقہ وانا ہجرت کرتے ہیں اور وہاں زخمی مجاہدین کا علاج کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کرتے ہیں اور ان کی بیوی اپنی ماں اور ساس کے نام ایک خط میں اس عزم کا اظہار کرتی ہیں کہ وہ اس پسماندہ قبائلی علاقہ کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنا کر اپنے بچوں کو بھی باپ کی راہ پر لگائیں گی۔

قطع نظر ان اختلافات اور علمی مباحث سے کہ جہاد و قتال میں فرق واضح رہنا چاہیے اور موجودہ وقت کا تقاضا صرف جہاد ہے یا قتال بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر ارشد وحید نے جو عظیم قربانی دی ہے وہ رائیگاں نہیں جائے گی اور ان کے خون کا ہر قطرہ جس سے زمین سرخ ہوئی سرزمین پاکستان کی روحانی روئیدگی کا باعث بنے گا۔ ڈاکٹر ارشد وحید کی قربانی میں ہم سب کے لیے یہ سبق پنہاں ہے کہ اس دنیا کی حیثیت ثانوی ہے اور اس کی لذت عارضی ہے۔ ڈاکٹر ارشد نے اگر روشنیوں کے شہر کراچی کو چھوڑ کر اور زندگی کے عیش و آرام اور سہولیات کو ترک کر کے وانا کی طرف جسمانی ہجرت کی اور زندگی جیسی عزیز ترین متاع کو لٹا دیا تو کیا ہم ذہنی ہجرت بھی نہیں کر سکتے کہ اس دنیا میں مسافر کی طرح رہیں اور آخرت کی منزل پا لینے کے لیے ہر دم کوشاں رہیں۔ دنیا ہماری مجبوری ہو لیکن آخرت ہمیں حقیقتاً محبوب ہو۔ ندائے خلافت کے قاری کے لیے اب یہ بات راز نہیں رہی کہ نمازوں کی بھرمار ہے، رمضان کا شاندار استقبال ہے، حج اور عمرہ کا طومار ہے، پھر بھی مسلمانوں کا مقدر ذلت و نکبت اور رسوائی کیوں ہے؟ اس لیے کہ اٹھاون مسلمان ممالک ہیں لیکن ان میں ایک بھی اسلامی ریاست نہیں ہے جہاں قرآن و سنت کو مکمل بالادستی حاصل ہو۔ لہٰذا ہم سب کے لیے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ یہی عبادت ہے، یہی حقیقی بندگی کا ثبوت ہے کہ اللہ کے دین کو یعنی نظامِ مصطفیٰ کو پہلے کسی ایک مسلمان ملک میں اپنی اصل روح کے ساتھ نافذ کریں۔ تاکہ عالمی خلافت کا قیام ممکن ہو اس لیے کہ ہمیں کوئی اور نظام راس نہیں آ سکتا ہے۔ مسلمان اور اسلامی نظام کا وہی رشتہ اور تعلق ہے جو پانی اور مچھلی کا ہوتا ہے، جو حیاتِ انسانی اور سانس کا ہوتا ہے۔ (باقی صفحہ 16 پر)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 — 15 تا 21 مئی 2008ء — 9 تا 15 جمادی الاولیٰ 1429ھ — شمارہ 20

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود - ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان - محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور - 54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور - 54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرون ملک ...... 250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ساقی نامہ (پہلا بند)

(بالِ جبریل)

ہوا خیمہ زن کاروانِ بہار
اِرم بن گیا دامنِ کوہسار!

گل و نرگس و سوسن و نسترن!
شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن!

جہاں چھپ گیا پردۂ رنگ میں
لہو کی ہے گردش رگِ سنگ میں!

فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور
ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور

وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
اٹکتی ، لچکتی ، سرکتی ہوئی

رُکے جب تو سِل چیر دیتی ہے یہ!
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ!

ذرا دیکھ اے ساقیٔ لالہ فام
سناتی ہے یہ زندگی کا پیام!

پلا دے مجھے وہ مے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصلِ گل روز روز!

وہ مے جس سے روشن ضمیرِ حیات!
وہ مے جس سے ہے مستیٔ کائنات!

وہ مے جس میں ہے سوز و سازِ ازل!
وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل!

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے!

1۔ ''ساقی نامہ'' کے پہلے بند میں علامہ اقبال نے موسم بہار کے حوالے سے جو خوبصورت امیجری، خیال افروزی کی ہے، وہ اُردو زبان کی پوری نیچرل شاعری میں انتہائی انفرادیت کی حامل نظر آتی ہے۔ کہتے ہیں کہ موسم بہار کی آمد آمد ہے اور پہاڑوں کے دامن میں اس طرح سے رنگارنگ پھول نشوونما پا رہے ہیں کہ اِن کو دیکھ کر ''باغِ ارم'' کا گمان ہوتا ہے۔

''ارم'' ملکِ یمن کے نزدیک قدیم زمانے میں ایک شہر تھا جس میں شداد بن عاد نے بہشتِ ارضی بنائی تھی۔ اس بناء پر ''باغِ اِرم'' ادبیات میں مشہور ہو گیا۔ کثرتِ استعمال سے صرف ''اِرم'' رہ گیا جس کے معنی خوبصورت باغ کے ہوگئے۔

2۔ اِس باغِ ارم میں گلاب، نرگس، سوسن و نسرین کے علاوہ ''لالے'' کے پھول اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ ان کا وجود نگاہوں کو خیرہ کیے دیتا ہے۔

3۔ ساری کائنات انہی رنگارنگ پھولوں میں چھپ کر رہ گئی ہے۔ ان کے حُسن نے اس کو مسرور و مسحور کر دیا ہے۔ عمارات پر بھی نظر ڈالیے تو ان پر بھی ان پھولوں کے رنگ یُوں جگمگا رہے ہیں، جیسے ان میں، لگے ہوئے پتھروں کی رگ رگ میں سرخ رنگ کا لہو گردش کر رہا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ بہار کے پھولوں نے ہر طرف رنگ و نُور پھیلا رکھا ہے۔

4۔ اس خوبصورت منظر سے ساری فضا رنگ برنگی ہو کر رہ گئی ہے۔ پھولوں کی مہک اور عطر بیز ہوائیں دل و نظر کو سرور بخش رہی ہیں۔ انسان تو انسان، پرندے تک جھومتے ہوئے، اپنے آشیانوں سے باہر نکل کر اِس کیفیت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

5۔ موسم بہار کی رنگینی اور دل کشی عام فضا ہی پر اثر انداز نہیں ہوتی، بلکہ پہاڑ اور دریا بھی اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ چنانچہ پہاڑوں میں برآمد ہونے والے ندی نالوں کا یہ عالم ہے کہ کبھی تو وہ دھیرے دھیرے اور خراماں خراماں رواں دواں ہوتے ہیں اور کبھی رُکتے ہوئے اور سرسراتے ہوئے گزر رہے ہیں۔

6۔ گرد و پیش کی فضا سے یہ ندی نالے بھی اس طرح مسحور ہو رہے ہیں کہ کبھی جوشِ مسرت سے اچھل پڑتے ہیں اور اُن کی روانی میں تیزی آ جاتی ہے۔ یہ ندی نالے تمام پُر پیچ راستوں سے بَل کھاتے ہوئے گزر رہے ہیں۔

7۔ اتنی تیز روانی کے سبب جب اِن پہاڑی ندی نالوں کی راہ میں کوئی پتھر آ جائے تو اُس کو ریزہ ریزہ کر ڈالتے ہیں۔ اس لمحے یُوں لگتا ہے جیسے وہ پہاڑوں کے دِل چیر رہے ہوں۔ واضح رہے کہ یہ زیرِ تشریح تین اشعار اپنے مضمون کے اعتبار سے موسم بہار میں پہاڑی ندی نالوں کی کیفیت کے مظہر ہیں۔

8۔ اب اِس بند کے آخری پانچ اشعار میں اقبال موضوع کے بنیادی کردار ساقی سے مخاطب ہوتے ہیں کہ اے ساقی! اور باتوں کے علاوہ اِس جانب بھی توجہ دے کہ زندگی تجھے کیا پیغام دے رہی ہے۔

9۔ اے ساقی! یہ تو ایک بدیہی امر ہے کہ فصلِ گُل اور موسم بہار کا مخصوص وقت ہوتا ہے۔ روز روز بہار کی آمد نہیں ہوتی۔ لہٰذا اِس سے حقیقی طور پر لطف اندوز ہونے کے لیے یہ امر ناگزیر ہے کہ تُو مجھے ایسا نشہ آور مشروب دے جو اِس پردے کو جلا کر خاک کر دے جو میرے اور تیرے درمیان حائل ہے۔

''مۓ پردہ سوز'' ایسی شراب جو پردوں کو جلا دے۔ مُراد ہے شرابِ عرفان یا شرابِ معرفت۔ پردوں سے مُراد ہیں وہ حجابات جو انسانی عقل اور حقیقت کُبریٰ کے درمیان حائل ہیں۔

10۔ اے ساقی! مجھے وہ نشہ پلا جو ضمیرِ حیات کو روشنی اور تازگی بخشتا ہے اور جس کے سرور سے ساری کائنات وجد میں آ جاتی ہے۔

11۔ ایسا نشہ جو آغازِ کائنات کے سوز و ساز سے عبارت ہے۔ یہی نہیں، بلکہ عشقِ حقیقی کے حوالے سے آغازِ کائنات کے بھید کھولنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

12۔ اور اے ساقی! جب تُو رازِ عشق سے پردہ اٹھا دے گا تو مجھ ایسا کمزور و ناتواں شخص بھی اپنے انتہائی طاقتور حریف سے اِس طرح نبرد آزما ہو سکے گا، جس طرح کہ ایک ننھی چڑیا عقاب کے مقابلے پر سردھڑ کی بازی لگا دیتی ہے۔

اقبال نے اِس بند میں پہلے تو موسم بہار کا منظر پیش کیا ہے۔ اس کے بعد اللہ سے یہ دُعا کی ہے کہ مجھے اپنی محبت عطا فرما، کیونکہ اُسی کی بدولت انسان کائنات کے حقائق سے آگاہ ہو سکتا ہے، اور اِس پر زندگی کے اسرار عیاں ہو سکتے ہیں۔ عشقِ الٰہی سے انسان (ممولا) میں یہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ کائنات اور زماں و مکاں (شہباز) کو مسخر کر سکتا ہے۔

اسلام: عدل اجتماعی کا علمبردار

مسجد دارالسلام باغ جناح، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید کے 2 مئی 2008ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات! یکم مئی کا دن مزدوروں کے حقوق کے حوالے سے منایا جاتا ہے۔ حسب روایت اس بار بھی اس دن موضوع کی مناسبت سے اخبارات میں کالم لکھے گئے۔ مضامین شائع ہوئے۔ ایک اہم سوال یہ ہے کہ اسلام اس بارے میں ہماری کیا راہنمائی کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت سرمایہ دارانہ نظام پوری دنیا پر حاوی ہے۔ سرمائے کی اتنی بڑی جکڑ بندی اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ انڈسٹریلزم آیا تو مشین کے ذریعے پیداوار میں اضافہ ہوا۔ ایک شخص دیکھتے ہی دیکھتے کروڑوں اور اربوں کا مالک بن جاتا ہے، جبکہ اسی فیکٹری میں کام کرنے والے سینکڑوں، ہزاروں مزدور بنیادی ضروریات کو ترستے ہیں۔ اقبال نے کہا تھا ؎

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

اسی طرح کسان کا استحصال ہو رہا ہے۔ کسان صبح سے شام تک دھوپ میں محنت کر رہا ہے۔ صبح اُٹھ کر فصل پر پانی لگا رہا ہے، خون پسینہ ایک کر رہا ہے۔ اور جاگیردار یا وڈیرہ کسان کی محنت کی کمائی پر عیش کر رہا ہے۔ اس کی اولاد امریکہ میں جا کر پڑھ رہی ہے، جس کی محنت ہے اسے بنیادی انسانی حقوق بھی میسر نہیں ہیں۔ اس کے بچوں پر تعلیم کے دروازے بند ہیں کہ کہیں انھیں اپنے حقوق کا شعور حاصل نہ ہو جائے۔ ان کو غلام ہی رہنے دو۔ اس دور میں یہ استحصال کی بدترین شکلیں ہیں۔

بدقسمتی سے اس قسم کا امیج دیا جاتا ہے کہ معاذ اللہ اسلام بھی سرمایہ دارانہ نظام کو سپورٹ کرتا ہے۔ حالانکہ یہ انتہائی غلط تصور ہے۔ اسلام اصل میں عدل اجتماعی کا علمبردار ہے، تاکہ ہر سطح پر کامل انصاف ہو اور ہر انسان کو اس کے جائز حقوق ملیں۔ کوئی کسی کے حق پر ڈاکہ نہ ڈال سکے، نہ سیاسی اعتبار سے، نہ معاشی اعتبار سے، نہ سماجی اعتبار سے۔ استحصال کسے کہتے ہیں۔ یہ لفظ عام طور پر حق تلفی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کسی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھانا۔ مثلاً آج کل روزگار کی کمی ہے۔ کہیں چپڑاسی کی اسامی خالی ہوتی ہے تو ایم اے پاس بھی درخواست دے رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ بے روزگاری ہے۔ یا ایک شخص کو اس کی صلاحیت کے مطابق کم سے کم دس ہزار تنخواہ ملنی چاہیے لیکن چونکہ بے روزگاری ہے، لہٰذا پانچ ہزار کی بھی ملے گی تو وہ قبول کرے گا۔ یہ استحصال ہے۔ اس کے علاوہ بھی استحصال کی بے شمار شکلیں ہیں۔ اس کی اصل بنیاد انسان کی اپنے اندر کی طغیانی اور بغاوت ہے۔

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۝﴾ (العلق)

”مگر انسان تو سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔“

انسان اپنی حدود سے تجاوز کرتا ہے اور دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے تیار رہتا ہے۔

﴿اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝﴾ (العلق)

”جبکہ اپنے تئیں غنی دیکھتا ہے۔“

جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی پکڑ نہیں ہے۔ میں کسی کے ساتھ زیادتی کر رہا ہوں، لیکن فوری طور پر نہ میرے پیٹ میں مروڑ اُٹھ رہا ہے، نہ کوئی پکڑ دھکڑ ہو رہی ہے۔ عقیدہ تو ہے کہ اللہ دیکھ رہے ہیں لیکن وہ تو آخرت کا معاملہ ہے۔ حساب ہوا بھی تو وہاں کوئی بچا ہی لے گا۔ لہٰذا وہ استحصال کرتا ہے کیونکہ اس کے اندر طبعی طور پر یہ کمزوری موجود ہے۔

﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝﴾ (العادیات)

”اور وہ تو مال کی سخت محبت کرنے والا ہے“

مال کی محبت انسان کی کمزوری ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ مال جیسے بھی ملے حاصل کرنا ہے، چاہے دوسروں کی حق تلفی کر کے ملے۔ یہی مال کی محبت انسان کو پستی کی انتہا تک پہنچا دیتی ہے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: ”اگر کسی شخص کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں پھر بھی اس کی حرص ختم نہیں ہوگی۔ اس کی شدید خواہش ہوگی کہ تیسری وادی بھی مل جائے“۔ یہ انسان کی وہ کمزوری ہے، جس کی وجہ سے وہ دوسرے کا استحصال کرتا ہے۔ خون پسینے کی کمائی وہ کرے مکھن ملائی میں کھاؤں۔ اسی سرمایہ داری نظام کے ردِ عمل میں اشتراکیت کا سیلاب آیا تھا۔ لیکن وہ بھی بہر حال ایک انسانی سوچ کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ یہودیوں نے اس کو ناکام کیا لیکن یہ نظام ”الحق“ نہیں تھا۔ بہر کیف استحصال کی وجہ سے دو طرح کی ذہنیت وجود میں آتی ہے۔ قارونیت اور فرعونیت۔ کسی کے پاس سیاسی غلبہ ہوگا تو وہ کسی دوسرے کو اُبھرنے نہیں دے گا۔ پھر جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون ہوگا۔ آپ نے دیکھا ہے کہ ہمارے ہاں گزشتہ آٹھ سال سے کیا ہو رہا ہے۔ ایک شخص کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ سولہ کروڑ عوام کو اس نے حیوانوں کی سطح پر رکھا ہے۔ یہ فرعونیت کی بدترین مثال نہیں تو اور کیا ہے۔ آپ کے کوئی حقوق نہیں ہیں۔ عوام کی سوچ کچھ ہو، وہ جو چاہے نافذ کرے، جو چاہے فیصلے کرے۔ ایک شخص قوم کی تقدیر کا مالک ہے اور عوام کے اندر جو کرپٹ عناصر ہیں ان کو اپنے ساتھ ملا کر مذموم مقاصد کی تکمیل ہو رہی ہے۔ یہ سیاسی طور پر استحصال ہے۔ دوسری طرف قارونیت ہے۔ یہ میرا مال ہے۔ میں نے کمایا ہے۔ میری محنت کا نتیجہ ہے۔ میں جیسے چاہوں خرچ کروں، کسی کو دوں یا نہ دوں، یہ میری مرضی ہے۔ یہ قارونی ذہنیت ہے جس سے معاشی جبر و استحصال کی بنیاد پڑتی ہے۔

قرآن نے ہمیں جو نظام دیا ہے وہ ہمارے خالق کا

عطا کردہ ہے۔ یہ نظام ہر طرح سے کامل ہے اور انسانوں کو ہر طرح کے استحصال سے نجات دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رسولوں کو اسی لیے بھیجتا رہا تاکہ وہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر نظام عدل سے روشناس کرائیں۔ اس حوالے سے ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید:25)

''ہم بھیجتے رہے ہیں رسولوں کو بڑی واضح تعلیمات اور معجزات کے ساتھ اور ہم ان کے ساتھ نازل کرتے رہے ہیں کتاب اور میزان، تاکہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہو جائیں (یعنی سب کو ان کے حقوق ملیں۔ کوئی کسی دوسرے کے حق پر ڈاکہ نہ ڈال سکے)۔''

سورہ شوریٰ میں فرمایا:

﴿اَللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ﴾ (آیت:17)

''اللہ وہ ہے جس نے نازل کردی ہے الکتاب حق کے ساتھ اور اس کے ساتھ اتاری ہے میزان''۔

نبیؐ کو بھی یہ دو چیزیں عطا کی گئیں۔ کتاب اور میزان۔ اس میزان کا تعلق دنیا میں نظام عدل اجتماعی سے ہے کہ سیاسی حقوق سب کو ملیں، معاشی حقوق سب کو ملیں، معاشرتی اور سماجی اعتبار سے تمام انسان برابر ہیں۔ ان کو حقوق ملنے چاہئیں۔ کوئی اونچا نہیں، کوئی نیچا نہیں۔ کوئی نسلی وانسانی اعتبار سے برتر نہیں ہے۔ رسولِ رحمتؐ نے واضح فرمادیا کہ ''تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا''۔ ہر سطح پر عدل ہو، یہ مقصد تھا رسولوں کو بھیجنے کا۔ نبی اکرمؐ کا الہدیٰ اور دین حق عطا کیا گیا۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں تین مرتبہ بہت اہتمام سے آیا ہے۔

﴿ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ﴾ (الفتح:28)

''وہی (اللہ) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر۔''

الہدیٰ سے مراد ہے کامل ہدایت، کامل رہنمائی۔ کس چیز کی راہنمائی، جس امتحان زندگانی میں تم گزر رہے ہو اس میں کامیاب ہو کر اُخروی کامیابی کیسے حاصل کر سکتے ہو۔ اس کے تقاضے اور شرائط کیا ہیں۔ فکر ونظر کے کیا تقاضے ہیں۔ صحیح فکر، صحیح علم، صحیح عمل کیا ہوگا۔ وہ درست عمل جو انسان کو اخروی کامیابی کی طرف لے جائے جس کا عنوان جنت ہے۔ اس اعتبار سے یہ کامل ترین راہنمائی ہے۔ انسانوں کے لیے سب سے بڑی رحمت آخرت میں کامیابی ہے۔ اس اُخروی کامیابی کے لیے جو کامل ترین راہنمائی ہو سکتی ہے وہ قرآن مجید کی شکل میں نبی رحمتؐ کو عطا کردی گئی۔

دوسری شے جو اللہ کے رسولؐ کو دی گئی وہ ہے دین حق۔ سچا دین، سچا نظام اطاعت۔ سسٹم آف سوشل جسٹس، نظام عدل اجتماعی جس کے لیے سورۃ الحدید اور سورۃ الشوریٰ میں لفظ آیا ہے ''میزان''۔ دین حق اصل میں وہ نظام ہے جس میں ہر شخص کو اس کا حق ملے اور کوئی شخص دوسرے کے حق پر ڈاکہ نہ ڈال سکے۔ اللہ نے جو نظام عدل اجتماعی حضرت محمد ﷺ کو دیا وہ کامل عدل پر مبنی ہے۔ اس کے ساتھ نبیؐ کو یہ مشن دیا گیا کہ آپؐ نے اس دین حق کو دوسرے نظاموں پر غالب اور قائم کرنا ہے

﴿لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ﴾ (الفتح:28)

''تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔''

باطل نظام کو اکھاڑ کر دین حق قائم کرنا، یہی وہ

پریس ریلیز — **9 اور 12 مئی 2008ء**

امریکی دباؤ سے نکلنے کی واحد راہ یہ ہے کہ ہم یہاں اللہ کا دیا ہوا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم کریں

باطل نظام کی موجودگی میں محض عدلیہ کی آزادی یا ججوں کی بحالی سے حق وانصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے بلکہ اِس کے لئے اسلام کا عادلانہ نظام نافذ کرنا ہوگا

اپنے اصولی موقف پر قائم رہتے ہوئے وزارتوں کی قربانی نواز شریف کا قابل تحسین فیصلہ ہے

حافظ عاکف سعید

پاکستانی عوام جب تک امریکہ کی غلامی سے نکل کر اللہ سے وفاداری اختیار نہیں کریں گے، ان کے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح، لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ حالیہ الیکشن کے بعد ہوا کا ایک تازہ جھونکا آیا تھا لیکن جیسا کہ اندیشہ محسوس کیا جارہا تھا کہ معاملہ صرف چہرے بدلنے تک محدود رہا۔ کیونکہ منتخب عوامی نمائندے بھی امریکی دباؤ کا سامنا کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ امریکہ ہمارے ملک کو اپنی مفتوحہ چراگاہ سمجھتا ہے۔ 61 سالہ بداعمالیوں اور دین سے غداری کی یہ سزا پوری قوم بھگت رہی ہے کہ عملاً آج ہم امریکہ کے زرخرید غلام بن چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ امریکی دباؤ سے نکلنے کی واحد راہ یہ ہے کہ ہم یہاں اللہ کا دیا ہوا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم کریں۔ وگرنہ دین سے بے وفائی کی سزا کے طور پر اسی طرح ذلت ومسکنت کے عذاب میں جکڑے رہیں گے۔

○ ○ ○ ○ ○

ججز کی بحالی کے حوالے سے مذاکرات کی ناکامی اور مسلم لیگ نواز شریف کی وفاقی کابینہ سے علیحدگی کے فیصلے پر امیر تنظیم اسلامی، پاکستان حافظ عاکف سعید نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ نواز شریف کا کردار قابل تحسین ہے، جنہوں نے اپنے اصولی فیصلے پر قائم رہتے ہوئے وزارتوں کو ٹھکرا دیا ہے، اگرچہ اس فیصلے سے ملک شدید بحران کی طرف بڑھ رہا ہے، لیکن عوام سے اپنے کیے گئے وعدے کے مطابق ان کے لیے حکومت میں رہنا ممکن نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ نواز شریف کو یہ جان لینا چاہیے کہ باطل نظام کی موجودگی میں محض عدلیہ کی آزادی یا ججوں کی بحالی سے حق وانصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ حق وانصاف کے تقاضے تب ہی پورے ہوں گے، جب ملک میں اسلام کا عادلانہ نظام نافذ ہوگا۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشرواشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

جدوجہد تھی جس کے لیے مسلمانوں پر جہاد و قتال فرض کیا گیا۔ اس لیے کہ اس کے ذریعے نوعِ انسانی کو رحمت میسر آتی ہے۔ اس رحمت کے دو پہلو ہیں، وہ بھی سمجھ لیجیے، ایک یہ کہ تمام انسانوں کو ان کے جائز حقوق ملیں۔ انھیں انصاف ملے۔ یہ ہمارے دین کی تعلیمات ہیں کہ ہر شخص کی جان، مال، آبرو محترم ہیں۔ کوئی کسی دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتا۔ ڈالے گا تو ریاست اس کے خلاف ایکشن لے گی۔ اسلامی ریاست کے ہر شہری کی جان، مال، عزت اور آبرو کا تحفظ اسلامی ریاست کی اوّلین ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس رحمت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب عدل و انصاف نہ ہو، استحصالی نظام ہو تو انسان نارمل زندگی نہیں گزار رہا ہوتا۔ وہ ایک نارمل انسان کی طرح سوچ نہیں سکتا۔ انتقامی جذبات اس کے اندر پروان چڑھ رہے ہوتے ہیں۔ وہ شرفِ انسانیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی یہ بات فرمائی ہے کہ اگر معاشی طور پر استحصالی نظام ہے تو یہ دو دھاری تلوار ہے۔ ایک طرف اس کے نتیجے میں دولت اور سرمائے کا ارتکاز ہوتا ہے۔ دوسری طرف محرومیاں بڑھتی ہیں۔ جنھیں زیادہ ملتا ہے، انھیں دولت کا ہیضہ ہو جاتا ہے اور وہ انسان نہیں رہتے، وہ مزید مال کھینچنے کے لیے خون چوسنے کے عادی ہو جاتے ہیں اور درندے اور بھیڑیے بن جاتے ہیں۔ جن کا استحصال کیا جا رہا ہے، وہ بھی بیچارے انسان نہیں رہتے۔ وہ بھی حیوانات کی مانند ہو جاتے ہیں۔ اُن کا کام صرف محنت مزدوری ہوتا ہے مگر اس سے انھیں دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں آتی۔ استحصالی نظام کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ لوگوں کی اخلاقی اور روحانی ترقی رک جاتی ہے۔ انھیں آخرت کا ہوش ہی نہیں رہتا۔

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دل فریب ہیں غم روزگار کے

شام کی روٹی کا مسئلہ ہے۔ بچہ بیمار ہے، اس کے لیے دوا نہیں ہے۔ استحصالی نظام میں ریاست کوئی ذمہ نہیں لیتی۔ نہ علاج، نہ تعلیم، نہ بنیادی حقوق، سر چھپانے کو بھی جگہ نہیں ہے۔ ایسے میں اللہ اور آخرت کی یاد کیسے رہ سکتی ہے۔ رسولوں کے لیے یہ دنیاوی ہدف اسی لیے معین کیا گیا تھا تاکہ نظام عدل اجتماعی کے قیام کی صورت میں لوگوں کی اخلاقی و روحانی ترقی ہو سکے۔ انھیں ان کے بنیادی حقوق اور عدل و انصاف میسر آئے گا تو ذہنی سکون ملے گا۔ اب وہ اپنی آخرت کے بارے میں بھی سوچ سکیں گے۔ اپنے رب سے لو لگانے کے حوالے سے بھی کچھ توجہ ہو سکے گی۔ دین کے تقاضوں کی طرف بھی ان کی نظر اُٹھ سکے گی۔ یہ ہمارے رسول ﷺ کا مشن ہے۔ یہ ہے وہ دینِ حق جو ہمیں دیا گیا۔

ہم مسلمانوں کی محرومی اور بدنصیبی ہے کہ دنیا میں اٹھاون اسلامی ممالک ہیں، 150 کروڑ مسلمان اس خطۂ زمین پر بستے ہیں لیکن کسی ایک جگہ بھی دینِ حق قائم نہیں ہے۔ گویا ہم نے طے کیا ہے کہ اس رحمت سے خود بھی محروم رہیں گے اور بقیہ نوعِ انسانی کو بھی فائدہ نہیں اُٹھانے دیں گے۔ ہاں مزدوروں کا عالمی دن منا لیں گے۔ عورتوں کے حقوق کا دن منا لیں گے۔ سارے حقوق جس نظام میں ملتے ہیں، جو اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعے ہمیں عطا کیا، اس کو اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ اس کو اپنانے میں ہر طبقے کا فائدہ ہے۔

یومِ مئی کے حوالے سے مزدوروں کے حقوق کی گفتگو ہو رہی تھی۔ اسلام میں محنت کی عظمت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: ((اَلْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ)) ”محنت کش کو اللہ اپنا دوست رکھتا ہے۔“ ہمارے ہاں بدقسمتی سے ہندوانہ پس منظر کی وجہ سے ان لوگوں کو جو ہاتھ کی کمائی کھاتے ہیں، نیچ سمجھا جاتا ہے۔ یہ بڑھئی ہے، یہ دھوبی ہے، یہ موچی ہے۔ یہ وہی جاہلیت ہے جس کو توڑنے کے لیے نبی اکرمؐ تشریف لائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا جس نے اُجرت پر بھیڑیں نہ چرائی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے خود بھی معمولی اُجرت پر یہ کام کیا ہے۔ حضرت داؤدؑ کے بارے میں آتا ہے، وہ زرہیں بنایا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ان کی عظمت کو بیان کیا گیا۔

”اے نبی! ان سے کہیے کہ کیا ہم بتائیں تمہیں ایک ایسے شخص کے بارے میں جو اپنی محنت اور عمل کے اعتبار سے خسارے میں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔“ (القرآن)

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝١٠﴾
(السبا)

”اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی۔ اے پہاڑو، ان کے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (ان کا مسخر کر دیا) اور ان کے لیے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا۔“

حضرت داؤد پر ایک فضل تو یہ کیا کہ ان پر زبور نازل کی۔ جب وہ زبور سے حمد کے ترانے پڑھتے تھے تو پرندے اور پہاڑ بھی وجد میں آ جاتے تھے۔ دوسرا فضل یہ تھا کہ اللہ نے ان کے ہاتھ میں فولاد کو نرم کر دیا تھا تاکہ وہ زرہیں تیار کر سکیں۔ یہ ہے ہاتھ کی کمائی اور محنت کش کی فضیلت جو قرآن میں بیان ہوئی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو دینِ حق لے کر آئے۔ وہ ہر قسم کی ناانصافیوں اور استحصال کو ختم کر کے ہر لیول پر عدل و قسط کی ضمانت دیتا ہے لیکن یہ سارا معاملہ دنیا سے متعلق ہے۔ اصل کمائی آخرت کی کمائی ہے۔ سورۂ کہف میں ہے

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۭ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝١٠٤﴾

”اے نبی! ان سے کہیے کہ کیا ہم بتائیں تمہیں ایک ایسے شخص کے بارے میں جو اپنی محنت اور عمل کے اعتبار سے خسارے میں ہے۔ وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔“

افسوس کہ ہم بھی ایسے لوگوں، ایسے افراد کو رول ماڈل سمجھتے ہیں۔ فلاں شخص نے کتنی محنت کی ہے۔ اس نے چھابڑی سے اپنے کام کا آغاز کیا تھا۔ آج دیکھو کتنی فیکٹریوں کا مالک ہے۔ ظاہر ہے اُس نے دنیا میں کامیابی کے لیے محنت کی ہے۔ اپنی تفریحات کو چھوڑا۔ اپنے آرام کو چھوڑا۔ وہ راتوں کو جاگا ہوگا۔ کیا کچھ نہیں کیا ہوگا۔ اپنے حقوق سے دستبردار ہوا۔ اپنے بیوی بچوں کی حق تلفی کرتا رہا۔ بظاہر یہ شخص دنیا میں کامیاب نظر آ رہا ہے لیکن یہ سب سے زیادہ ناکام ہے۔ اس لیے کہ اس نے محنت تو بہت کی لیکن اس محنت کا نتیجہ دنیا کے چند ٹکے کے سوا کچھ نہیں۔ ہمیشہ ہمیش کی آخرت اس نے برباد کر ڈالی۔ محنت کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہیں جب وہ شام کو لوٹتے ہیں تو اپنی اُخروی ہلاکت کا سامان لے کر لوٹتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو صحیح رُخ پر محنت کر رہے ہیں۔ وہ اپنی آخرت کی فلاح اور کامیابی کا پروانہ لے کر لوٹتے ہیں۔ محنت تو ہر شخص کر رہا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس کا رُخ کدھر ہے اور اصل کامیابی کس محنت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح رُخ پر محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!) [مرتب: فرقان دانش خان]

نظام کی تبدیلی، کیا اور کیسے؟

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ
بانی تنظیم اسلامی

وطن عزیز پاکستان دنیا کے نقشے پر مسلمانوں کا ایک الگ ملک تو بن گیا، مگر بدقسمتی سے اس ملک میں آج تک نظام اُسی انگریز کا وضع کردہ چل رہا ہے جس کے خلاف ایک زبردست عوامی تحریک چلا کر ہم نے آزادی حاصل کی تھی۔ اس میں مزید دکھ اور تکلیف کی بات یہ ہے کہ ساٹھ سال گزر جانے کے بعد بھی انگریزی نظام میں سرِ مُو کوئی تبدیلی نہیں لائی جا سکی بلکہ ہمیں آج تک جو بھی حکمران میسر آئے ہیں وہ اپنے پورے عرصہ حکومت میں اس نظام کی محافظت کرتے نظر آئے ہیں۔ ہمارے حکمران آج بھی اپنے آقاؤں (انگریز) کو بلا کر کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو ساٹھ سال گزرنے کے باوجود ہم نے تمہارے نظام کو پوری طرح سے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ یہ کیفیت کیوں ہے اور ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس سوال کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ ہماری حکمران کلاس کی تعلیم و تربیت جن اداروں میں ہوتی ہے وہ انگریزوں کے بنائے ہوئے ہیں اور ان کا نصاب بھی انھیں کا وضع کردہ ہے۔ ہمارے ہاں حکمران طبقے کی بھی دو اقسام ہیں۔ ایک قسم عوامی حکمرانوں اور دوسری فوجی حکمرانوں کی ہے اور ان دونوں میں ملک میں قائم نظام کی محافظت میں شدید مسابقت کا معاملہ ہے۔ عوامی حکمرانوں میں بھٹو مرحوم کی جمہوریت نوازی کسی سے مخفی نہیں مگر اس کے باوجود وہ اقتدار کی وادی میں فوجی آمر ایوب خان کی چھتری تلے داخل ہوئے اور سیاست میں پاؤں جمانے کے بعد ایوب خان کی آمریت کے خلاف اپنی پارٹی بنانے کا اعلان کر دیا۔ بھٹو مرحوم کے عوامی اندازِ خطابت نے ایک عرصے سے محرومیوں کے اندھیروں میں گم قوم کو روشنی کی کرن دکھائی۔ مگر اقتدار میں آنے کے بعد پاکستان کی تاریخ کا پہلا عوامی لیڈر پہلا عوامی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن گیا اور بعد ازاں اسی لیڈر نے اپنے بنائے ہوئے متفقہ آئین میں ترامیم کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔ اُن کے ان اقدامات سے نظام تو نہ بدلا، ان کی حکومت ضرور بدل گئی اور وہ خود تختہ دار پر جھول گیا۔ ان کے بعد دوسرے عوامی لیڈر میاں محمد نواز شریف کو تاریخ کا پہلا ہیوی مینڈیٹ ملا مگر میاں نواز شریف بھی بجائے اس کے کہ وہ نظام میں تبدیلی کی کوشش کرتے وہ خود اس نظام کی بھینٹ چڑھ گئے اور اس کی وجہ بھی ان کے بعض آمرانہ اقدامات تھے۔ اور یہ بھی بھٹو مرحوم کی طرح فوجی آمر کے زیرِ سایہ پروان چڑھے تھے۔ فوجی حکمرانوں میں صدر جنرل ضیاء الحق موجودہ نظام کے خلاف اسلام کے نفاذ کا نعرہ لے کر آئے مگر انھوں نے اپنے بعض اقدامات سے نہ صرف اسلام کو نقصان پہنچایا بلکہ موجودہ نظام میں ذرا برابر تبدیلی نہ لا سکے اور بالآخر اس نظام کے میزائل نے ان کے طیارے کو تباہ کر کے انہیں ختم کر دیا۔ فوجی حکمرانوں میں 12 اکتوبر 1999ء کو موجودہ نظام میں انقلابی اقدامات کا نعرہ لگا کر جنرل پرویز مشرف اقتدار پر قابض ہوئے اور امید دلائی کہ وہ قوم کو موجودہ نظام سے چھٹکارا دلائیں گے اور ایسا نظام لائیں گے جو موجودہ نظام کی ضد ہو گا، مگر ان کے 9 سالہ دورِ اقتدار نے وہ مثالیں قائم کیں جو ان کے پیش رو حکمران بھی سر انجام نہ دے سکے۔ مثلاً انھوں نے اوّلاً نیب کو مطلوب افراد کو وزراء بنایا۔ پھر 2002ء کے انتخابات میں بھرپور دھاندلی کروائی جس کی گواہی اُس وقت کے آئی ایس آئی کے پولیٹیکل سیل کے سربراہ میجر جنرل (ر) احتشام ضمیر نے دی ہے اور انھوں نے انکشاف کیا کہ دھاندلی کے احکامات ان کو پرویز مشرف نے دیئے تھے۔ ابھی اس مسئلے کی دھول نہیں بیٹھی تھی کہ آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی رپورٹ نے تہلکہ مچا دیا جس میں بتایا گیا کہ سابق دور میں وفاقی وزارتوں، سرکاری اداروں اور ڈویژنوں میں ایک کھرب 58 ارب 93 کروڑ روپے سے زائد کی بے قاعدگیاں سامنے آئی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق صرف وزارت دفاع میں 25 ارب روپے سے زائد کی مالی بے ضابطگیاں کی گئیں۔ غیر ملکی دوروں میں قواعد کے برعکس لاکھوں روپے خرچ ہوئے۔ زلزلہ زدگان کی بحالی کی ضمن میں بے ضابطگیوں سے ہماری اخلاقی گراوٹ کی انتہا کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس وقت حالات یہ ہیں کہ ملک کے عوام سڑکوں پر آٹے کے لیے مارے مارے پھر رہے ہیں مگر دوسری جانب صدرِ مملکت نے غیر ملکی دوروں پر ایک ارب سے زائد رقم خرچ کر دی ہے۔ انہی صدرِ مملکت کے دور کے وزیر اعلیٰ پنجاب نے لاہور میں تاج محل کے انداز کا ایک وزیر اعلیٰ سیکرٹریٹ تعمیر کروایا جس پر مجموعی طور پونے دو ارب روپے کی لاگت آئی ہے۔ اسی دور میں سٹیل مل کی نجکاری کے ضمن میں ہونے والی بدعنوانی بھی قوم کے سامنے ہے۔ لہٰذا اس دور میں بھی نظام کی تبدیلی کی توقع سراب ثابت ہوئی۔ موجودہ حکومتی اتحاد کی بڑی پارٹی کے سربراہ آصف علی زرداری متعدد مرتبہ اس عزم کا اظہار کر چکے ہیں کہ وہ نظام کو تبدیل کر کے دم لیں گے۔ مگر اب تک ان کے اقدامات اس چیز کے غماز ہیں کہ اس مرتبہ بھی نظام کی تبدیلی محض ایک نعرہ ہے۔ نظام تو بہت دور کی بات ہے ابھی تک وہ سابق حکومت کے فائز کردہ اٹارنی جنرل کو بھی تبدیل نہیں کر سکے۔ لہٰذا نظام کی تبدیلی ''ایں خیال است و محال است ''جنوں'' والا معاملہ لگتا ہے۔ موجودہ حکومت کا سب سے پہلا ٹیسٹ ججز کی بحالی تھا۔ مگر اُسے جس قدر پیچیدہ بنا دیا گیا اُس کے بعد نظام کی تبدیلی کی بات زرداری صاحب کے منہ سے نہیں جچتی۔ ویسے بھی جس مفاہمتی آرڈیننس کے ذریعے وہ ''گناہوں سے پاک'' ہوئے ہیں اس کے بعد وہ ویسے ہی پرویز مشرف کے ممنون احسان ہیں۔ بقول شاعر

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

حکمرانوں کے علاوہ ہمارے ملک میں متعدد دینی جماعتیں جن میں سرِ فہرست جماعت اسلامی اور سیکولر جماعتوں میں پیپلز پارٹی نظام کی تبدیلی کی دعویدار ہیں۔ اِس ضمن میں ضرورت ہے کہ سمجھا جائے کہ نظام کسے کہا جاتا ہے اور اس کی تبدیلی کیسے ممکن ہے؟ دنیا بھر میں نظام کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ نظام کا ایک حصہ فرد کی انفرادی زندگی سے متعلق ہے جبکہ دوسرا حصہ زندگی کے اجتماعی معاملات پر محیط ہے۔ ان میں مقدم الذکر حصہ عقائد (Dogmas) مراسم عبودیت (Rituals) اور سماجی رسومات (Social Customs) پر مشتمل ہے۔ آج دنیا بھر میں ان معاملات میں فرد کو آزاد تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ جس طرح کے چاہے عقائد کو اپنا لے۔ زندگی کا دوسرا حصہ تہذیب، تمدن، ریاست اور

سیاست یعنی سیاسی (Political)، سماجی (Social) اور معاشی (Economic) نظام پر مشتمل ہے۔ انسانی زندگی کے اجتماعی گوشوں میں تبدیلی کا نام "نظام کی تبدیلی" ہے اور ماضی قریب میں اس کی سب سے بڑی مثال فرانس، روس اور ایران کا انقلاب ہے۔ ان انقلابات میں ہاتھوں کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ نظام بھی پوری طرح بدل گیا اور یہ سب کچھ انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں ہوا۔ جب کہ ہمارے ملک میں جب بھی کوئی جماعت انتخابات میں جیت کر آتی ہے تو وہ یہ سمجھتی ہے کہ اب وہ آ کر نظام کو بدل دے گی جبکہ یہ خیال ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں کیونکہ جس نظام کے تحت آپ انتخابات جیت کر آئے ہیں اور اُس نظام کی محافظت کا آپ نے حلف اُٹھایا ہے اور اس نظام کے محافظوں (بیوروکریٹس) میں آپ گھرے ہوئے ہیں لہٰذا ان حالات میں نظام کی تبدیلی کی بات کرنا ایک سہانا خواب تو ہوسکتا ہے حقیقت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں کوئی بھی حکمران باوجود خواہش کے موجودہ نظام میں سرِنَو تبدیلی نہیں لاسکا۔

دینی جماعتوں کی انتخابی سیاست میں ناکامی کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہمارے ملک کا انتخابی نظام پوری طرح سے سرمایہ داروں، جاگیرداروں، وڈیروں اور چودھریوں کے ہاتھوں یرغمال بنایا ہوا ہے۔ ووٹرز ان کے ظلم وستم کے خلاف اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کرنے سے بے بس ہیں۔ پھر میجر جنرل ریٹائرڈ احتشام ضمیر کی گواہی کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ انتخابات کے فیصلے مرضی کے مطابق تبدیل بھی کیے جاسکتے ہیں۔ اپنی مرضی کے گھوڑے میدان میں اتارے جاسکتے ہیں۔ یورپی یونین کی رپورٹ نے بھی ثابت کیا ہے کہ حالیہ انتخابات میں بھی دھن، دھونس اور دھاندلی کا استعمال کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان حالات میں قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمٰن اور عمران خان کی پارٹیاں کیسے اکثریت لے کر آسکتی ہیں۔ ویسے بھی انتخابات کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ پہلے کسی امیدوار کا بجٹ لاکھوں کا ہوتا تھا تو اب یہ کروڑوں تک پہنچ چکا ہے۔ صرف پارٹی ٹکٹ لینے کے لیے لاکھوں روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کوئی امیدوار اتنے روپے خرچ کر کے میدان میں آئے گا تو وہ کیا خاک عوام دوست ہوگا۔ اور اُسے نظام سے کیا غرض ہوگی۔ ہمارے سول بیوروکریٹس اور اعلیٰ فوجی قیادت بھی اسی نظام کے محافظ ہیں، کیونکہ ان کی تربیت مغربی فکر کے مطابق ہوئی ہے۔ لہٰذا وہ سب کے سب مغربی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ان کا ذہن، فکر اور سوچ وہی ہے جو برصغیر کے سابق حکمرانوں "انگریز" کی تھی۔ ہمارے آرمی آفیسرز میسوں میں جو کچھ ہوتا رہا ہے، وہ سب کو معلوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے عالم اسلام کے عوام کی امنگوں کے برعکس امریکہ کا اتحادی بننے کو ترجیح دی اور مغربی تہذیب کو پوری طرح نافذ کرنے کی کوشش کی۔

اب سوال یہ ہے کہ نظام کو تبدیل کیسے کیا جائے؟ اس ضمن میں سب سے پہلے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ہم اپنی نظریاتی اساس (اسلام) سے ازسرِنو وابستگی اختیار کریں اور پھر نظریے اور اس کی بنیاد پر بننے والے نظام کے علمبردار بن کر داعی کی حیثیت سے کھڑے ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ پوری جدید دنیا سے Isolate ہونے کے خطرے کو ڈٹنا قبول کرتے ہوئے سچی توبہ کے ذریعے اپنا رشتہ صرف اور صرف اللہ رب العزت سے استوار کریں۔

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہو مخالف
کافی اگر ایک خدا میرے لیے ہے!

تیسرا جو جماعتیں بھی نظام کی تبدیلی کی خواہاں ہیں وہ انتخابی سیاست کو فی الحال ترک کر کے "پُرامن عوامی تحریک" کے راستے کو اپنائیں۔ اس راستے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے کارکنوں کو نظم کا خوگر بنایا جائے اور قائدین اور کارکنان موجودہ نظام کے خلاف بغاوت کا علم بلند کریں اور اس سے کسی قسم کی معاونت کا رویہ روا نہ رکھیں۔ اس ضمن میں وکلاء نے ہمارے سامنے ایک بہترین مثال رکھ دی ہے۔ ایران کا انقلاب بھی کسی انتخابی کھیل کے نتیجے میں رونما نہیں ہوا تھا بلکہ وہ ایک "پُرامن عوامی تحریک" کے نتیجے میں آیا تھا۔ لہٰذا ہمارے ملک میں بھی نظام کی تبدیلی موجودہ نظام کے اندر رہتے ہوئے نہیں آسکتی۔ ساٹھ سال سے ہماری جماعتیں سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہیں۔ اب چند سال ایرانی تحریک کی طرز پر کوشش کرنی چاہیے۔ جس کے لیے پہلے کی نسبت اب فضا زیادہ سازگار ہے۔ اگر یہ موقع بھی ہم نے گنوا دیا تو آٹے کی تلاش میں سرگرداں ہاتھ حکمرانوں اور قومی رہنماؤں کے گریبانوں پر ہوں گے۔ موجودہ نظام کی خرابی کی اس سے بڑی اور واہیات مثال کیا ہوسکتی ہے کہ لوگ مہنگائی، بھوک اور آٹے کی قلت کی وجہ سے خودکشیوں پر مجبور ہیں اور بقول وزیراعظم روزانہ 4 افراد اوسطاً خودکشیاں کر رہے ہیں۔ اس صورتِ حال میں موجودہ نظام کو "تین طلاقیں" دینا لازم ہوگیا ہے اور اگر ایسا نہ ہوا تو ظلم وستم کے مارے لوگ خود ہی "یوم جزا" برپا کر لیں گے اور اس کی چند جھلکیاں ہم نے سندھ اور پنجاب میں سابق حکومت کے وزیروں کی ہونے والی درگت کی صورت میں دیکھ لی ہیں۔

نامے میرے نام

بخدمت جناب
ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
حافظ عاکف سعید صاحب
السلام علیکم!

ماہِ رواں میں "مسلم انڈیا" کی تحقیق کے سلسلے میں مجھے انڈیا جانے کا اتفاق ہُوا۔ دہلی میں "تنظیم اسلامی" کے ایک کارکن سید عرب شاہ صاحب سے مفصل گفتگو ہوئی۔ مقامی امیر تنظیم ہاشمی صاحب اتفاق سے دہلی سے باہر گئے ہوئے تھے۔

حقیقت یہ ہے، اور یہ آنکھوں دیکھی اور کانوں سُنی بات کر رہا ہوں، ڈاکٹر صاحب کی آواز اور پیغام نے ایک عجب سماں وہاں پیدا کر رکھا ہے۔ جمعہ کو جامع مسجد کی سیڑھیوں کے باہر جب کیسٹ لگایا جاتا ہے تو سینکڑوں مسلمانوں کا جم غفیر اُس کے گرد جمع ہو کر جوش وہوش سے سنتا ہے۔ اُس وقت اُن کے چہروں کی رونق دیدنی ہوتی ہے۔ یہی حال دہلی کے اندرونی گلی کوچوں میں دیکھا۔ علی گڑھ کے بازاروں اور یونیورسٹی کے ماحول میں دیکھا۔ یہ ابتدا ہے۔ اگر کوشش کی جائے تو انڈیا کے حالات پاکستان کی نسبت زیادہ سازگار نظر آتے ہیں۔ انڈیا میں قرآن کا پیغام پھیلنے اور پھیلانے کے جو مواقع پیدا ہیں، اُن سے ضرور فائدہ اٹھاتے ہوئے "تنظیم" کی شاخیں پورے انڈیا میں قائم کی جانی چاہییں۔

نیاز مند
سید قاسم محمود

انقلابِ ایران کے محرکات

سید قاسم محمود

مستبد پہلوی حکومت کو ختم کر کے ایران میں جمہوری اسلامی حکومت قائم کرنے کے محرکات میں ایک عوامی محرک یہ بھی تھا کہ عوام اقتصادی عدمِ توازن، ناانصافی اور جور وستم کی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے اور تیل، گیس، لوہا، پتھر اور دوسرے قدرتی وسائل وذرائع سے فائدہ اٹھا کر انسانی اجتماعی قوت کو کام میں لانا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سولہ لاکھ مربع کلومیٹر زمین کو کارآمد بنا کر اقتصادی آزادی اور استقلال حاصل کیا جائے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو۔ مغرب کی سرمایہ داری اور روس کی اشتراکیت، دونوں سے ہٹ کر اسلامی نظام کی راہ اختیار کی جائے یعنی دولت نہ تو چند افراد کے ہاتھوں میں مرتکز ہو اور نہ کسی خاص گروپ یا طبقے کے ہاتھوں میں منجمد ہو۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں دولت عادلانہ اور منصفانہ طریقے سے عوام کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔ دنیا کے موجودہ اقتصادی نظام میں جو معاشرتی امراض پائے جاتے ہیں، وہ سب سرمایہ داری اور اشتراکیت کے غلط فارمولے کا نتیجہ ہیں۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں اس طرح کے امراض کے پھیلنے پھولنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

فوجی محرک

پہلوی دورِ حکومت میں تیل کی آمدنی کا بڑا حصہ امریکا، یورپ اور اسرائیل سے اسلحے کی خریداری پر صَرف ہوتا تھا۔ اگرچہ ایران کے دفاع کے لیے یہ اسلحہ ایک مرتبہ بھی استعمال نہیں ہوا، تاہم اسلحے کی حفاظت اور امریکی فوجی ماہرین،، جن کے قبضہٴ اختیار میں ایرانی افواج تھیں، اُن کو بڑی بڑی تنخواہیں اور خصوصی مراعات دی جاتیں۔ اور اِس خرچے کا بار ایرانی عوام پر ڈال دیا جاتا، اور یہ اس صورت میں تھا کہ امریکی فوج، روس کے مقابلے میں ایران کو ایک چھاؤنی کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے بدلے امریکا نے ایران کو ایک ڈالر بھی نہیں دیا۔ امریکا خود اپنے فوجیوں کے لیے لمبی لمبی تنخواہیں وصول کرتا تھا۔ علاوہ ازیں ایرانی فوج کے تمام اسلحے ہمیشہ اسرائیل کے ہاتھوں میں رہے، تاکہ اسرائیل اسلامی ممالک سے جنگ کی صورت میں ان سے فائدہ اٹھا سکے۔ 1967ء اور 1973ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیلی طیارے ایرانی اڈوں سے اُڑائے گئے۔ انہوں نے امریکی اسلحہ ایرانی چھاؤنیوں سے حاصل کیا۔ پوری ایرانی فوج اسرائیل کے اختیار میں تھی۔ بین الاقوامی صیہونیت اور اُس کے مرّبی امریکا کو ایران کا پورا فوجی تعاون حاصل تھا۔

سب سے اہم اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ایرانی فوج اپنی قابلیت اور مہارت میں امریکی فوج سے کسی طرح بھی کم نہ تھی۔ بلکہ بعض فنی وعسکری امور میں ایرانی فوج کی صلاحیت وقابلیت امریکی فوج سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ اس کے باوجود ایرانی فوج، جنرل سے لے کر عام سپاہی تک، ہمیشہ اور ہر حالت میں امریکی فوج کی نگرانی میں کام کرنے پر مجبور تھی۔ ایرانی جنرلوں کے سامنے قوم کی آزادی کا مسئلہ کبھی نہ تھا۔ لیکن عام فوجیوں کے نزدیک یہ بڑی شرم اور غیرت کی بات تھی۔ ایک اعلیٰ لیاقت ومہارت رکھنے والا ایرانی فوجی افسر ایک معمولی امریکی سپاہی کے زیر فرمان تھا اور اُسے امریکی سپاہی کے مقابلے میں بہت کم تنخواہ اور مراعات حاصل تھیں۔

غرضیکہ ایران کے انقلاب کا ایک بڑا محرک امریکا سے ایرانی فوج کی وابستگی بھی تھا۔ ایرانی عوام چاہتے تھے کہ امریکا کی فوجی اطاعت ختم ہو۔ ایران کی اپنی ایک خودمختار، مستقل اور آزاد فوج ہو، تاکہ ملک کی آزادی اور خودمختاری کے دفاع کے ساتھ ساتھ دوسرے مسلم ممالک کے مسلمان بھائیوں کے شانہ بہ شانہ اسرائیل کے مقابلے میں جنگ کر سکیں، اور ہر جگہ کمزوروں اور محروموں کی مدد اور امریکی فوج کے اقتدار کو ختم کرنے کے لیے عملی تدابیر اختیار کر سکیں۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ جو فوج امریکا کی مطیع اور خدمت گزار ہو، وہ کبھی ایرانی عوام اور اسلامی ممالک اور عام انسانیت کے اعلیٰ مقاصد کے لیے مفید نہیں ہو سکتی۔

سیاسی محرک

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانانِ عالم غیر مسلم اقوام اور غیر مسلم ممالک سے دوستانہ روابط رکھ سکتے ہیں، مگر وہ دوستانہ روابط کو برقرار رکھنے کے لیے کسی قسم کا دباؤ قبول نہیں کر سکتے۔ ایک اسلامی حکومت کسی ایسی حکومت کے ساتھ، جو کمزور قوموں پر ظلم وستم روا رکھتی ہو، اور اُس کے حقوق آزادی کو پامال کرتی ہو، دوستانہ تعلقات اُستوار نہیں کر سکتی۔

یہ سادہ اصول پہلوی دورِ حکومت میں دیکھنے میں نہیں آیا، بلکہ اس کے برخلاف پہلوی بادشاہوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ مغربی سامراج کا دستِ جبر وتشدد ایرانی قوم اور دوسری قوموں پر دراز ہی ہوتا چلا جائے۔ 1920ء میں برطانیہ کی مداخلت سے ایران میں پہلوی بادشاہت کا سلسلہ شروع ہوا اور 1941ء میں برطانیہ ہی کی براہِ راست مداخلت سے رضا خان کی جگہ اُس کے بیٹے محمد رضا کو تخت نشین کیا گیا۔ اصولی طور پر پہلوی حکومت سو فی صد پٹھو حکومت تھی۔ 1978ء کے اواخر میں شاہ نے اپنی تقریروں میں خود اس کا اعتراف کیا کہ اُس کے عہدِ حکومت میں وہ نمائندے جو انتخابات کے ذریعے پارلیمنٹ میں آنا چاہتے تھے، اُن کے نام تہران میں امریکی سفارت خانے سے اُسے دیے جاتے تھے (شاہ نے ”امریکی“ کی بجائے ”ایک بڑے ملک“ کہا تھا)

پہلوی دورِ حکومت میں ایسی بے شمار سامراجی تجویزیں مغربی جہاں سوزوں کی طرف سے ایران پر تھوپی گئیں، جن کی وجہ سے ایران کے طبعی وقدرتی وسائل اور سرمایہ اغیار کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ زراعت وصنعت تباہ وبرباد ہو گئی۔ ایران ثقافتی، اقتصادی اور فوجی لحاظ سے مکمل طور پر امریکا کا غلام بن کر رہ گیا۔ 1963ء میں ”کیپچولیشن“ نام کا ایک شرمناک قانون پارلیمنٹ سے منظور کرایا گیا۔ اِس قانون کی رُو سے ایران میں تمام امریکی باشندے گویا ہر جرم کے لیے آزاد ہو گئے تھے۔ اُن کے خلاف قانونی چارہ جوئی ایران میں نہیں ہو سکتی تھی۔ صرف امریکا کی عدالتوں میں ہو سکتی تھی۔ خمینی نے اِس قانون پر سخت اعتراض کیا تھا، جس کے نتیجے میں انہیں کو سی آئی اے کے حکم پر ساواک نے گرفتار کر کے ترکی جلاوطن کر دیا تھا۔

امریکا سے پہلوی حکومت کی سیاسی وابستگی اِس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ امریکا ہی کے ایماء اور حکم پر اسرائیل اور

جنوبی افریقہ سے بہترین روابط قائم کیے گئے تھے، حالانکہ ایرانی عوام بیت المقدس کی وجہ سے فلسطین کے مسلمانوں کے ساتھ دلی ہمدردی اور محبت رکھتے تھے اور اسرائیل کی غاصب اور ناجائز حکومت سے بڑی شدت سے نفرت کرتے تھے۔ شاہ کی حکومت نے اپنے تمام وسائل اور امکانات کے ذریعے صیہونیت کی حمایت کی۔ یہ تمام وسائل اور امکانات شاہ کی ملکیت نہ تھے، بلکہ ایرانی عوام کی گاڑھی کمائی کا نتیجہ تھے۔

اسرائیل کے علاوہ رھوڈیشیا کی نسل پرست حکومت، جنوبی افریقہ کی غاصب اور سامراجی حکومت، اور فلپائن کی مارکوس کی حکومت، غرض اِن تمام امریکی ایجنٹوں کی حکومتوں کے ساتھ شاہ کی حکومت کے دوستانہ اور انتہائی خوشگوار تعلقات تھے۔ ایران اُن کو تیل فراہم کرتا، اُن کی مالی امداد کرتا، قرضے دیتا اور سیاسی لحاظ سے ہمیشہ اُن کی تائید کرتا۔ نیز تیسری دنیا کی ایسی حکومتوں کے خلاف، جو اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے کوشش کرتیں، امریکی سازشوں میں ایران بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا۔

پہلوی حکومت نے امریکا کی عملاً غلام ہونے کے باوجود اپنے ہمسایہ ملک سوویت روس کو راضی رکھنے کے لیے، ایران کی عوامی دولت کا کچھ حصہ روس کو دے رکھا تھا اور اس سے کچھ معاشرتی اور اقتصادی معاہدے بھی کر رکھے تھے۔ شاہ نے ایک طرف تو امریکا اور اُس سے وابستہ مغربی ممالک کو ایران کی عظیم دولت کو لُوٹنے کی اجازت دے رکھی تھی تو دوسری طرف رُوس اور اُس کے دوست ممالک کو ''گیس'' کی دولت سے فائدہ اٹھانے کی۔ اس طرح اُس نے کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ مغربی ممالک کی طرح مشرقی ممالک بھی صنعت وحرفت، زراعت، تجارت، غرض ہر میدان میں ایران کو اپنے سے وابستہ رکھیں۔

ملک کے اندر شاہ کی پروپیگنڈا مشینری کی کوشش یہ تھی کہ غیروں سے یہ وابستگی، یہ دل بستگی ظاہر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ یہ پروپیگنڈا کیا جاتا تھا کہ چونکہ شاہ کی حکومت طاقت، آزادی اور استقلال رکھتی ہے، اس لیے وہ مشرق و مغرب سے روابط رکھنا چاہتی ہے۔

ملک میں جو سکون، جمود اور ٹھہراؤ پایا جاتا تھا، وہ فی الحقیقت مشرق و مغرب، رُوس اور امریکا، دونوں بلاکوں میں ملک کی قدرتی دولت کی تقسیم کا نتیجہ تھا، مگر شاہ کے حواری اُسے شاہ کا ایک معجزہ بنا کر پیش کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ایران کو ''جزیرۂ ثبات'' کا لقب دے کر عوام کے ذہنوں میں زبردستی ثبات واستقلال کے غلط معنی ومفہوم بٹھانے کی کوشش کی جاتی تھی، حالانکہ سامراجیوں کے نقطۂ نظر سے شاہ کے زمانے میں ایران ایک ایسا جزیرۂ ثبات تھا، جہاں سامراجی ایجنٹ آسانی کے ساتھ لوٹ کھسوٹ کر سکتے تھے اور نہ صرف یہ کہ شاہ نے اُن کے لیے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر رکھی تھیں، بلکہ اس پر علاقے میں سامراجی مفادات کے تحفظ کی جو ذمہ داری تھی، اُسے بھی بڑی خوبی سے انجام دیا اور شاہ کے سامراجی آقاؤں نے اس کے صلے میں اُس کو ''ژاندارم خلیج''، یعنی خلیج فارس کے محافظ کے لقب سے نوازا۔ ظاہر ہے کہ یہ ''جزیرۂ ثبات'' جس کا سکون اور ٹھہراؤ ایرانی عوام کے نقطۂ نظر سے ایک ایسا سکون اور ٹھہراؤ تھا، جو طوفان سے پہلے ہوتا ہے...... وہ طوفان جو ایران کے مسلم عوام کی حریت اور آزادی کے نعروں کی گونج سے اٹھا اور شاہ ''ژاندارم'' اور اُس کے آقاؤں کو خلیج فارس میں متزلزل کر کے رکھ دیا۔

گھٹن کا ماحول

یہ ایک فطری بات تھی کہ شاہ کی حکومت کے ان تمام جرائم اور خیانتوں پر ایران کے مسلم عوام خاموش نہیں رہ سکتے تھے اور نہ ہی وہ اسلامی ثقافت کو مسخ ہوتے دیکھ سکتے تھے۔ وہ یہ قطعی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ اُن کا ملک ثقافتی، سیاسی، اقتصادی اور فوجی حیثیت سے دوسروں کا دست نگر بنا رہے اور وہ شاہ کی پٹھو حکومت پر کوئی اعتراض نہ کریں۔

پہلوی حکومت کے استبداد کے خلاف جدوجہد اور مبارزت کا آغاز پہلے بادشاہ رضا خان کے عہد میں ہوا تھا۔ خود خمینی نے بھی رضا خان کے استبدادی دورِ حکومت ہی میں اپنی جدوجہد شروع کی تھی اور انہوں نے رضا خان کے خلاف اپنی مشہور کتاب ''کشف الاسرار'' اِسی دَور میں لکھی تھی اور شائع کی تھی۔ خمینی رضا خان کو سلطنت کے لائق نہیں سمجھتے تھے اور شروع سے ہی اُس کی سلطنت کی بساط الٹنے کے حق میں تھے، لیکن خمینی کی اصل تحریک تک پہلوی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے میدان ہموار نہیں ہُوا تھا۔ خمینی کی تحریک شروع ہونے سے پہلے تک شاہ کے خلاف جو بھی جدوجہد ہوئی، وہ آئین کے دائرے تک محدود رہی۔ اس کا مقصد حکومت کو سرنگوں کرنا نہیں تھا، بلکہ حکومت کو ملک میں رائج آئین وقانون کا پابند کرنا تھا، حتیٰ کہ یہ طرزِ فکر پہلوی حکومت کے زوال اور اسلامی انقلاب کی کامیابی تک بہت سے حُریت پسندوں پر حاوی تھا۔ اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد جبکہ اس سیاست اور طرزِ فکر کی حقیقت تمام ایرانیوں پر روشن ہو چکی ہے، تب بھی زمانہ غلامی کے بعض سیاست دان جو ایک زمانے میں شاہی حکومت کے خلاف جدوجہد بھی کر چکے ہیں، اپنے دلی طرزِ فکر اور اعتقاد پر قائم ہیں۔ وہ اب بھی اپنے اس سیاسی عقیدے سے دست بردار نہیں ہوئے کہ جدوجہد کا اصل مقصد شاہ کو حکومت سے سلطنت (ریاست) کی طرف پلٹانا تھا۔

اسلامی انقلاب سے پہلے بھی ''نہضتِ آزادی'' کے لیڈروں کا یہی عقیدہ تھا کہ جدوجہد آزادی، غیر جانب دارانہ اور شفاف انتخابات کے لیے ہونی چاہیے۔ شاہ کو ''حکومت'' کے لیے، ''ریاست'' کے لیے برقرار رکھنا چاہیے۔ اس گروپ کے لیڈر مہدی بازرگان نے 11 دسمبر 1979ء کو یعنی شاہی حکومت کے زوال کے تقریباً ایک سال بعد ایک اخبار کے نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا:

''نہضتِ آزادی اور ہم سب لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ انتخابات ایک الٰہی دسترخوان کی مانند ہیں۔ ہمارا خیال یہ تھا کہ شاہ کی حکومت جب آزاد انتخابات کے لیے رضامند ہو چکی ہے تو پھر اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے؟ پہلا کام ہم یہ کریں گے کہ اگر حکومت کا یہ کہنا صحیح ہے کہ انتخابات آزادانہ ہوں گے تو ہم حکومت سے کہیں گے کہ ہمیں سیاسی مرکزِ اقتدار رکھنے کی اجازت ملنی چاہیے۔ دو ہی صورتیں ہیں۔ اجازت ملے گی یا نہیں ملے گی۔ اگر اجازت ملی تو یہ سیاسی مرکز ایک ایسا ذریعہ ہوگا کہ ہم ایک جگہ جمع اور متحد ہو سکیں۔ اور اگر سیاسی مرکز رکھنے کی اجازت نہیں ملتی تو ہم حکومت کا گریبان پکڑیں گے اور کہیں گے کہ تیرا کہنا غلط اور جھوٹ ہے۔ اور اگر سیاسی مرکز رکھنے کی اجازت مل جاتی ہے تو ہم کہیں گے، بہت خوب۔ یہ آزادانہ انتخابات کا ثمر ہے۔ جب ہم اپنے امیدوار کھڑے کر لیں گے، تو یقینی طور پر لوگ ملی پارٹی کے امیدواروں کو ووٹ دیں گے۔ (ملی پارٹی یعنی حزبِ اختلاف)۔ اگر انتخاب ہوئے تو مخالفین، خواہ وہ ملی، روحانی، نہضت آزادی یا فلاں وفلاں پارٹی کے ہوں...... پندرہ بیس لوگ پارلیمنٹ میں جائیں گے۔ اگر نہیں گئے تو ہم اُنہیں ذلیل وخوار کریں گے اور کہیں گے، جناب جمی کارٹر صاحب، جناب امریکا صاحب، آپ کا حقوقِ انسانی کا دعویٰ جھوٹ ہے، فریب ہے۔ شاہ کو ایک بہانہ مل گیا تھا۔ بہانہ یہ تھا کہ وہ کہا کرتا تھا کہ ہم نے عوام کو آزادی دے دی ہے۔ عوام نے انتخابات میں کھل کر حصہ نہ لیا تو شاہ کہے گا کہ ہم نے تو آزادی دے دی تھی، عوام نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ میڈیا کو بھی آزادی ملنی چاہیے، بلکہ میڈیا کی آزادی کے ذریعے انسان ہر طرح کی محاذ آرائی کر سکتا ہے۔ میڈیا کے ساتھ عدلیہ کو بھی آزادی ملنی چاہیے۔'' (جاری ہے)

ایک بیٹی، ایک بہو کا خط

شہید ڈاکٹر ارشد وحید کی اہلیہ سعدیہ کا ایمان افروز خط
اپنی والدہ اور خوش دامن کے نام

یہ خط شہید ڈاکٹر ارشد وحید کی اہلیہ نے تحریر کیا ہے۔ ان کی مخاطب خوش دامن اور ان کی والدہ ہیں مگر موضوع اور حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ امتِ مسلمہ کا ہر فرد اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر ارشد وحید تنظیم اساتذہ کے بانی صدر حافظ وحید اللہ اور جماعت اسلامی کی دیرینہ رکن سابق ناظمہ سندھ و بلوچستان محترمہ ام اجمل (جہاں آراء) کے لختِ جگر ہیں۔ ابتدائی تعلیم سکھر کے مشہور علمی ادارے تعمیرِ نو اسکول سے حاصل کی۔ انٹر اعلیٰ نمبروں سے پاس کر کے فیصل آباد میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کیا۔ نائن الیون کے بعد افغانستان میں امریکا کی بربریت اور وحشیانہ بمباری کے نتیجے میں زخمیوں کی امداد کے لیے ایک طبی وفد کے ہمراہ افغانستان گئے جو جہاد سے قربت اور طاغوتی قوتوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا جواز بنا۔ حکومتِ پاکستان اور امریکی ادارے ان کے درپے ہوئے۔ یوں جون 2004ء میں انہیں اور ان کے بڑے بھائی کو کور کمانڈر کراچی پر قاتلانہ حملے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ ابتدائی پندرہ دن حبس بے جا میں رکھا گیا، پھر انسداد دہشت گردی کی عدالت نے انہیں قید با مشقت کی سزا سنائی، مگر سندھ ہائی کورٹ میں اُن کی اپیل منظور ہوئی۔ یوں مارچ 2006ء میں دونوں بھائیوں کو باعزت بری کر دیا گیا۔ ڈاکٹر ارشد وحید نے رہائی کے بعد ایف سی پی ایس کی تعلیم مکمل کرنا چاہی، مگر رخنہ اندازی کی گئی۔ اسی دوران ان کے دل میں موجزن مجاہدین اور مظلومین سے محبت اور عقیدت امڈ آئی۔ انہوں نے وانا ہجرت کا فیصلہ کیا اور 2007ء میں اپنی اہلیہ اور چار بچوں کے ہمراہ وزیرستان وانا ہجرت کر گئے۔ وہ ایک مسیحا تھے، دکھی انسانیت کی خدمت ان کا مشن تھا۔ وہ اسلام کی سربلندی اور طاغوتی قوتوں کو سرنگوں کرنے کے لیے میدانِ عمل میں رہے۔ 16 مارچ 2008ء کو بغیر پائلٹ کے طیارے نے چند میزائل داغے۔ یوں 18 نوجوان خاک و خون میں مل گئے۔ ان شہداء میں ڈاکٹر ارشد وحید اور ان کا جواں سال بھتیجا بھی شامل تھا۔ وہ اس مقصد کو پا گئے۔

یہ شہادت گہہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

میری پیاری امی اور میری پیاری امی

السلام علیکم!

اللہ تعالیٰ کی ڈھیروں محبتیں اور رحمتیں آپ پر نازل ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت کے دامن میں چھپا لے اور اپنی ناراضی سے بچا لے، آمین۔ بے شک ہم سب اللہ کے ہی ہیں اور اسی کے پاس ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ ہمارے پاس اُس کی عطا کردہ بڑی پیاری اور قیمتی ہر نعمت اور خود ہماری جانیں اس کی امانت ہیں۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندہ کی کوئی دنیاوی محبوب چیز لے لوں اور وہ صبر کرے تو اس کے لیے میرے پاس جنت کے سوا کوئی اور بدلہ نہیں۔

بے شک میرے شوہر میرے لیے اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان، میری زندگی کی عظیم ترین متاع تھے۔ ایک ایسا محور تھے جس کے گرد زندگی گھومتی تھی۔ خوشی کا تصور ان کی ذات سے وابستہ تھا۔ ایسی پیاری شفیق ہستی جو ہر رشتے کا حق نبھا گئی۔ جس قدر اپنی ذات سے ہم لوگوں میں خوشی اور خیر پہنچا سکتے تھے، پہنچا گئے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے، میری اختیار کی ہوئی چھوٹی سی چھوٹی نیکی میں بھی وہ شریک رہے۔ انہوں نے ہم سب کی زندگی میں اتنی مسکراہٹیں بکھیریں کہ جن کے بغیر زندگی کا تصور بھی محال تھا۔ لیکن اس عظیم ترین نعمت کو اللہ نے ہی ہمیں دیا اور ان کے دل میں ہمارے لیے اتنی محبت اللہ تعالیٰ نے ہی ڈالی اور پھر اللہ ہی نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ بے شک یہ میرے لیے پہاڑوں جیسا صدمہ ہے۔ اُن کی جدائی کا غم ناقابلِ بیان ہے۔ بس امی! جب بھی غم ناقابلِ برداشت ہونے لگتا ہے، فوراً اس صدمے کے اجر میں اپنے ربِ رحیم سے اس کی محبت، اس کی رحمت، اس کی مغفرت اور خوشنودی طلب کرتی رہتی ہوں اور اس کی پناہ مانگ لیتی ہوں اور بے شک جو اس ربِ کریم و رحیم کی پناہ میں آیا وہ سرخرو ہوا۔ بس امی! حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی جدائی کے غم کو الفاظ میں بیان کرنا میرے لیے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

آپ سب گواہ ہیں کہ وہ کس محبت اور پیار سے مجھے اور بچوں کو ہجرت کروا کر اس سرزمین پر لائے تھے اور یہاں آنے کے بعد ایک لمحہ بھی ہمیں کوئی غم اور ملال نہ تھا بلکہ ہم اکثر و بیشتر اپنے رب کریم کا شکر ادا کرتے تھے کہ بے شک ہم اس قابل نہ تھے جتنا بڑا احسان ہمارے رب کریم نے ہم پر فرمایا کہ اپنے راستے میں ہجرت کی توفیق عطا فرمائی۔ ایسی سرزمین پر جہاں آ کر ہم نے الحمدللہ ہر دن گزرنے کے ساتھ اپنے ایمان کو بہتری ہی بہتری کی طرف محسوس کیا۔ ایسی عجیب دنیا جہاں کے غم اور فکریں ہی مختلف ہیں، جس شخص کے پاس جتنا کم سامانِ زندگی ہوتا ہے، وہ اتنا ہی معزز ہے۔ ہر طرف نیکیوں میں سبقت لے جانے کی دوڑ سی لگی ہے۔ ہر آدمی اپنے ایمان کو بہتر کرنے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو بہتر بنانے کے لیے کوشاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ایسے پیارے بندے جن کی آمد سے گھر میں ایک خوشگواری کی فضا پھیل جاتی ہے۔ بس یہ ایسی ہی سرزمین ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ یہاں سوتے جاگتے، کھاتے پیتے کسی بھی لمحے اجر کا سلسلہ رکتا نہیں۔ ہم نے اس سرزمین پر اپنی شادی کے بعد اب تک یہ سب سے بہترین اور پرسکون دور گزارا۔ اور یہاں میں نے انہیں جتنا خوش اور مطمئن دیکھا شادی کے بعد کسی عرصے میں نہیں دیکھا۔

ان کی ہر خواہش میرے لیے وصیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اور وہ اپنی زندگی میں اکثر مجھ سے یہی خواہش کرتے کہ میرے بچے اسی ماحول میں پلیں، بڑھیں اور یہاں سے واپس نہ جائیں، بڑے مجاہد اور عالمِ دین بنیں اور پھر اللہ کے راستے میں، اس کے دین کی سربلندی کے لیے اپنی جانیں قربان کریں۔

امی! یہ سرزمین حقیقتاً فراز ہے۔ جو دل کی سکینت، ایمان کی بہتری اور اللہ کا قرب مجھے یہاں آ کر حاصل ہوا واپس نشیب کی طرف جانے کے تصور سے ہی میری روح کانپ اٹھتی ہے۔ ہجرت کی راہوں سے لوگ واپس نہیں لوٹا کرتے، وہ تو اور بلندی اور بلندی کی جانب بڑھتے ہیں۔ وہ مجھے اکثر کہتے تھے: دیکھو تم میرے بعد بھی یہاں سے مت جانا۔ امی! ان فضاؤں میں مجھے ان کی خوشبو آتی ہے اور ان کی اتنی مسکراہٹیں بکھری ہوئی ہیں کہ اب میں یہاں سے کہیں نہیں جا سکتی۔ میرا مستقل طور پر یہاں سے جانے کا ارادہ تو دور کی بات ہے، عارضی طور پر بھی یہاں سے جانے کا کوئی تصور بھی محال ہے، اس کے سوا کہ میرا رب کچھ اور چاہے۔

بس امی میں نے ان سے زندگی گزارنے کا ڈھنگ سیکھ لیا ہے۔ انہوں نے رضائے الٰہی کی خاطر اپنی زندگی میں اللہ کا رنگ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ بے شک اللہ بھی ایسے لوگوں کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں جو

اس کی ملاقات کو پسند کریں۔ میں نے انہیں راتوں کو جاگ جاگ کر چپکے چپکے ہچکیوں سے اپنے رب کے سامنے گڑگڑاتے اور فریادیں کرتے دیکھا ہے، بس ہر وقت ایک ہی دعا اُن کے لبوں پر رہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے راستے میں قبول فرمالے۔ اپنی شہادت سے دو دن پہلے وہ تہجد کو اٹھے، نہا کر کپڑے بدلے (صبح انہیں رمایا پر جانا تھا) رومال باندھا (جو میں آپ کے لیے بھیج رہی ہوں) پھر مجھ سے کہنے لگے: دیکھو میں کتنا صاف ستھرا اور پیارا لگ رہا ہوں ناں، شاید آج ہی میری شہادت ہوجائے۔ مجھ سے اتنی محبت کا اظہار کیا کہ میں حیران ہونے لگی کہ آج انہیں کیا ہوگیا ہے۔ پچھلی ہر محبت یاد دلاتے رہے: دیکھو میں تمہارے لیے یہ کرتا تھا، جیل میں تمہیں کتنا یاد کرتا تھا اور بہت سی باتیں۔ اللہ نے ہمارا رشتہ کیسے کروایا اور تمہیں میرے ہی لیے بنایا۔ میری آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ وہ لیٹے ہوئے تھے، میں نے کمبل ہٹا کر ان کے موزے اتارے اور ان کے پاؤں بے اختیار چومنے لگی۔ ثوبیہ اور سفانہ بھی ان سے لپٹ گئیں، مجھے اتنا اچھا لگ رہا تھا ان کے پاؤں چومنا...... مجھے کیا پتا تھا کہ دو دن بعد یہ پاؤں اللہ کے راستے میں ایسے غبار آلود ہوں گے کہ ان کا نام ونشان بھی نہ ملے گا۔ جس طرح کی ٹریننگ یہ کررہے تھے اس میں سخت ایکسرسائز کی وجہ سے جسم میں مستقل درد اور تکلیف تھی، وہ صرف یہی کہتے تھے کہ جیسا بھی ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے اپنے راستے میں قبول کرلے۔

ان کی شہادت سے ایک رات پہلے ہم اتنا ہنسے کہ عجیب سا لگنے لگا۔ میں نے سوچا کہ پتا نہیں آج ہمیں کیا ہوگیا ہے۔ بس امی! اس غم اور صدمے کی حالت میں بھی مجھے جب یہ خیال آتا ہے کہ وہ مجھ سے بہت خوش اور مطمئن ہوکر جدا ہوئے تو دل کو ایک عجیب سا سکون ملتا ہے۔ پچھلے دس پندرہ دنوں سے امارت کی جو ذمہ داری ان پر آگئی تھی بس ہر وقت فکرمند رہتے تھے کہ یہ بوجھ بہت بھاری ہے۔ بار بار اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑی عاجزی اور انکساری سے گڑگڑاتے تھے۔ بس امی! کیا کیا لکھوں، ایک ایک بات اور محبت ایسی دل پر نقش ہے کہ الفاظ ساتھ نہیں دے سکتے۔ ان کی یادوں اور محبتوں کے الفاظ کا ایک سیلاب سا امڈ آیا ہے، کیا کیا بیان کروں۔

میرے عظیم شہید شوہر ارشد کے نام

ایک ستارہ تھا
کہکشاں ہوگیا
حُبِّ یزداں کا اک استعارہ تھا وہ
داستاں ہوگیا
میرا نامۂ اعمال سمجھو ذرا...... روشنی ہی تو ہے
میرا لاشہ پامال دیکھو بھلا...... زندگی ہی تو ہے
اُس نے سوچا تھا یہ
ہاں یہی زندگی ہے مرے دوستو!
گر نہ دینِ مبیں پر یہ ہوتی فدا
اور کس کام آتی یہ زندگی؟
اور پھر یہ ہوا
قیدِ دنیا سے جب میں نکلنے لگا
بندگی کا سفر جب میں طے کرچکا
میں نے دھیرے سے یہ ساتھیوں سے کہا
''میں شہید اب ہوا''
پھر گواہی کا کلمہ زباں پر میری
لمحۂ واپسیں خود رواں ہوگیا
ایک ستارہ تھا میں
کہکشاں ہوگیا
میرا انداز، پاسِ وفا یہ رہا
طاقِ دل پہ سدا
شوقِ جنت کی شمع فروزاں رہی
دل تو دل ہی تھا، زخم اِس نے کھانے ہی تھے
روح لیکن میری پھر بھی شاداں رہی
میرے مالک نے مجھ کو بھری بزم میں
اس طرح سے چُنا
غازیوں کی طویل ایک فہرست میں
فرطِ رحمت سے روشن نشاں کردیا
نورِ قرآں کو میرا بیاں کردیا
حُبِ احمدؐ میں رطب اللساں کردیا
پیکرِ خاک تھا
خاک میں جب ملا
رحمتِ حق تعالیٰ سے مسکن مرا، آسماں ہوگیا
ایک ستارہ تھا میں
کہکشاں ہوگیا
دوستو! غازیو!
عشق کی ایک ہی جست میں
میں نے چودہ قرن کی مسافت کو طے، اس طرح سے کیا
دل میں طائف کا منظر بسا جب لیا
خلق میرا نسیمِ سحر ہوگیا
سب کو بتلا دیا
حق کی راہوں میں مرنا تو آسان ہے
جینا مشکل ہے...... جی کر بھی دکھلا دیا
میرے کردار کا
میرے اخلاص کا
ایک اک نقشِ پا
''صدقۂ جاریہ''
عشق کی راہوں میں یوں جاوداں ہوگیا
ایک ستارہ تھا میں
کہکشاں ہوگیا
اور بدر واُحد کا سبق جب پڑھا
عزم قطرہ تھا میرا...... بحر ہوگیا
میں نے اسلاف کی ہر نشانی کے مٹنے کے اِس دور میں
اجنبیت کے پرچم کو اُونچا کیا
میں نے حق وصداقت کے روشن دیے
خونِ دل سے بھرے
دل وہ جس میں ہمیشہ سے چاہت رہی
ہر کسی کے لیے
لب وہ جن پر سدا مسکراہٹ رہی
ہر شناسا، ہر ایک اجنبی کے لیے
اس طرح بھی ہوا
حلقۂ دوستاں میں کسی طور بھی
وسعتِ قلب کی جب کمی ہوگئی
دامنِ دل وہاں اپنا پھیلا دیا
ایک ستارہ تھا میں
کہکشاں ہوگیا
جب محبت کی تاریخ لکھی جائے گی
قافلہ حجازِ مقدس کا جب تذکرہ آئے گا
عاشقانِ حبیبِ جہاںؐ...... وہاں
میرا بھی نام آئے گا
پھر صحیفے جو محنت کے ہوں گے نشر
ان جہادی فضاؤں میں گزرا ہوا
میری غربت کا، عسرت کا ایک اک پل
میرے کام آئے گا
ساتھیو! زخم سینے پہ کھاتے چلو
رب سے ملنا ہے تو...... مسکراتے چلو
حُبِ احمدؐ کی شمع جلاتے چلو
تم نے سیکھا ہے جو سکھاتے چلو
یوں تمہارے لیے بھی ہماری طرح
شوق کی راہ کا وہ مقام آئے گا
حوضِ کوثر پہ جب اُنؐ کی سرکار سے
ہاں بڑے پیار سے......
پھر حلاوت بھرا ایک جام آئے گا
خالقِ دوجہاں کا انعام آئے گا

امی جان! بس اب تو زندگی گزارنے کے لیے صرف اللہ کا سہارا، اس کی یاد کا سہارا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ خاص سے مجھے بھی اور میرے بچوں کو اپنے راستے میں قبول فرمالے اور شہادت عطا فرمائے، آمین۔ اور ہمارے دلوں کو اپنی اور پیارے رسول ﷺ کی محبت سے ایسا سرشار کردے اور دل میں اپنی ملاقات کی ایسی تڑپ اور محبت پیدا کردے کہ جس سے اللہ تعالیٰ بھی جلد از جلد ہماری ملاقات کو پسند فرمالے اور ہماری تمام خطاؤں، گناہوں اور عیبوں سے پاک کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی رحمت کے دامن میں چھپالے۔ آمین ثم آمین!

آپ کی مخلصانہ دُعاؤں کی طلبگار — آپ کی سعدیہ

جمہوریت کی خلافت

نعیم اختر عدنان

دو قومی نظریہ کی بنیاد پر قائم ہونے والا اسلامی جمہوریہ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جو اسلامی نظام کے عملی نفاذ کے لئے معرضِ وجود میں آیا۔ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے قیام پاکستان کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ مسلمانوں کے لئے الگ ملک کے قیام کا مطالبہ درحقیقت اسلام کے اصولِ حریت واخوت و مساوات کا عملی نمونہ قائم کرنے کے لیے کیا گیا، تا کہ دُنیا کے سامنے اسلام کا عملی نمونہ پیش کیا جاسکے۔ مفکرِ پاکستان نے بھی برصغیر میں مسلمانوں کے الگ وطن کے قیام کی ضرورت بیان کرتے ہوئے اپنے مشہور خطبۂ آلہ آباد میں فرمایا تھا، اِس کے ذریعے ہم اسلام کی اصل تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں تا کہ دورِ ملوکیت میں اسلامی تعلیمات کے بارے میں غلط تصورات کی بجائے اسلام کا عادلانہ نظام لوگوں کے سامنے آ سکے۔ علامہ اقبال نے بجا طور پر فرمایا تھا۔

اپنی ملت پہ قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی

قیام پاکستان کے چند ماہ بعد پاکستان کے پہلے وزیراعظم خان لیاقت علی خان نے دستور ساز اسمبلی سے قراردادِ مقاصد کی منظوری دلوائی۔ اِس قرارداد کی رو سے پاکستان میں حاکمیت کا اختیار اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ جبکہ جمہور مسلمان اپنے نمائندوں کے ذریعے حق نیابت یعنی خلافت کے فرائض ادا کریں گے۔ تمام فیصلے قرآن وسنت کے مطابق طے کئے جائیں گے۔ اِس قرارداد کی منظوری سے پاکستان دستوری اور قانونی سطح پر ایک اسلامی ریاست بن گیا۔ چنانچہ پاکستان کے آئین میں یہ الفاظ درج کردیئے گئے کہ قرآن اور سنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کی جاسکتی۔ اگرچہ اِس آئینی تصور کو عملی جامہ پہنانے کی منزل ابھی نہیں آئی۔ پاکستان اپنے قیام کے 60 سال بعد بھی بحرانوں کی دلدل میں پھنسا ہوا نظر آتا ہے۔ اِس کا سبب بھی ملک کے اسلامی نظریے سے انحراف ہے۔ بقول شاعر۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

دنیا کا مقبول عام جمہوری نظام اور اسلام کے نظریہ خلافت میں نمایاں فرق ہے۔ جمہوری نظام حکومت میں حاکمیت عوام کے پاس ہوتی ہے۔ یہ تصور اسلامی تعلیمات کی رو سے کفر اور شرک ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

مفکر پاکستان علامہ اقبال نے مغرب میں رائج جمہوری نظام کو "سرمایہ داروں" کی آمریت اور جنگ زرگری قرار دیا۔ جمہوریت اور خلافت دو علیحدہ سیاسی نظریات اور ریاستی نظام ہیں۔ جمہوری نظام میں آسمانی وحی کی کوئی گنجائش نہیں جبکہ اسلام کا نظریہ خلافت روحانی ہدایت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اصل منزل، جمہوریت کا قیام اور استحکام نہیں بلکہ خلافت کا احیاء اور قیام ہے۔ پاکستان میں نظام خلافت کے قیام ہی سے اسلام کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی اصولوں کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ اسلام کے عادلانہ نظام یعنی سوشل جسٹس ہی سے جاگیرداری جیسے استحصالی اور ظالمانہ سرمایہ داری جیسے انسانیت دشمن نظام کا خاتمہ ممکن ہے۔ بقول اقبال۔

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی

مارکیٹ اکانومی اور آزاد تجارت اور طلب و رسد کے ظالمانہ ہتھکنڈوں کا کارگر اور دیرپا علاج بھی سرمایہ دارانہ نظام کے اصول ملکیت مطلقہ کی بجائے نظام خلافت کے "نظریہ امانت" کے اصول ہی پر ہوسکتا ہے۔ مغرب کا جمہوری اور انسانی حقوق کا علمبردار نظام درحقیقت۔

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبّر، یہ حکومت!
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات!

کے مترادف ہے۔

دین ومذہب کے اعلیٰ اخلاقی اصولوں سے متصادم جمہوری نظام کے علامہ اقبال بہت بڑے نقاد تھے۔ چنانچہ وہ اُسے چنگیزیت قرار دیتے ہیں۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر
اور
جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جدید ترکی کے معمار مصطفیٰ اتاترک نے جب خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کر کے ملک میں مغربی طرز کی جمہوریت کو نافذ کیا تو علامہ اقبال نے اتاترک کی اِس حرکت کو نادانی سے تعبیر کرتے ہوئے کہا۔

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنی بھی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

اقبال خلافت کے اسلامی نظریے کے داعی اور مبلغ تھے۔ اِسی لیے انہوں نے مسلمانوں کو دعوت عمل دیتے ہوئے کہا کہ۔

تا خلافت کی بنا ہو دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

اسلام کے نظریہ خلافت میں ایک بندہ مومن، متقی اور اہل شخص ہی منصب پر فائز ہوتا ہے۔ جبکہ مروجہ جمہوری نظام میں، فاسق وفاجر اور بددیانت وخائن شخص بھی اعلیٰ ترین منصب کا حامل بن جاتا ہے۔

ملک کے نئے حکمران اتحاد کے با اختیار شخص آصف علی زرداری ہیں۔ مخدوم امین فہیم جو بےنظیر بھٹو کے جلاوطنی کے دور میں پارٹی کی قیادت کرتے رہے اب بدلے ہوئے منظرنامے میں یہ شعر گنگنا سکتے ہیں۔

نیرنگئ سیاست دوراں تو دیکھئے
منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

مغربی جمہوری نظام کے انتخابی طریقہ کار، حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے مختلف دھڑوں کا وجود ان سب کو علامہ اقبال نے نئی تہذیب کے گندے انڈے قرار دیا۔ فرماتے ہیں۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت
بنائے خوب آزادی نے پھندے

انتخابی سیاست کے میدان میں سرگرم عمل مذہبی جماعتوں کی 60 سالہ مروجہ جمہوریت کی سیاست بازی خاص طور پر متحدہ مجلس عمل کا پانچ سالہ سنہری دور اور مذہبی جماعتوں کا سر بازار اختلاف وافتراق اسی مغربی جمہوری نظام کا ثمر ہے۔ ع

طب مغرب کے مزے میٹھے، اثر خواب آوری

عظمت کا لمحہ

جاوید چودھری

قدیم یونان کے لوگ رات کو اپنی پگڑیاں، دستاریں اور ٹوپیاں دروازے پر لٹکا دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا عظمت کی دیوی رات کے وقت اپنے آسمانی مسکن سے نکلتی ہے، ایک ایک دستار، ایک ایک پگڑی اور ایک ایک ٹوپی کے پاس رکتی ہے اور اسے ان ٹوپیوں، ان پگڑیوں اور ان دستاروں میں سے جو پسند آ جاتی ہے وہ اپنی سونے کی چھڑی اس پر رکھ دیتی ہے اور عظمت کی دیوی کی یہ چھڑی جس دستار کو چھو جاتی ہے اس دستار کا مالک زمانے میں عظیم ہو جاتا ہے، اسے عزت، شہرت اور عظمت نصیب ہو جاتی ہے۔ اہل یونان کا ایمان تھا کہ یہ دیوی دنیا میں ایک بار ہر شخص کے دروازے پر جاتی ہے اور اگر اس رات اس شخص نے اپنی دستار دروازے پر لٹکا رکھی ہو تو وہ اس کی دستار کو اپنی چھڑی سے چھو دیتی ہے اور اگلی صبح جب وہ شخص اپنی دستار پہنتا ہے تو دیوی کی عظمت اس کے سر، اس کے ماتھے میں نفوذ کر جاتی ہے اور یوں وہ شخص معتبر ہو جاتا ہے۔ اہل یونان رات کے اس پل کو عظمت کا لمحہ کہتے تھے اور ان کا خیال تھا یہ دنیا کا قیمتی ترین لمحہ ہوتا ہے اور دنیا کے تمام خزانے مل کر بھی اس ایک لمحے کی برابری نہیں کر سکتے۔ اہل روم کا خیال ان سے ذرا مختلف تھا، یہ لوگ سمجھتے تھے کہ دیوتاؤں کا دیوتا دنیا کے ہر انسان پر عظمت کا ایک لمحہ اتارتا ہے اور انسان اگر اس لمحے سے لپٹ جائے تو وہ ستارہ بن جاتا ہے، وہ انسانوں کی صفت سے نکلتا ہے، آسمان پر پرواز کرتا ہے اور آسمان کے ستاروں کا حصہ بن جاتا ہے اور ہر ابد تک چمکتا رہتا ہے۔ اہل روم کا خیال تھا دنیا میں جو لوگ اس لمحے کو کھو دیتے ہیں وہ پتھر بن جاتے ہیں اور دنیا کے تمام پتھر وہ بدنصیب لوگ ہیں جنہوں نے عظمت کے لمحے کھو دیئے تھے اور آسمانوں کے تمام ستارے وہ خوش نصیب لوگ تھے جو عظمت کے اس لمحے سے لپٹ گئے اور ابدی ہو گئے لیکن عربوں کا خیال ان دونوں سے مختلف تھا، عرب سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ دنیا کے ہر انسان کو ایک بار خیر اور شر میں سے کسی ایک انتخاب کا موقع دیتا ہے اور انسان اس لمحے جس کا انتخاب کرتا ہے اس کا اختتام ہمیشہ اس پر ہوتا ہے۔ عربوں کا خیال تھا، معاشرے میں جو شخص جتنا بڑا ہوتا ہے قدرت اسے اتنی ہی کثرت سے خیر اور اتنے ہی وسیع شر کے سامنے لا کھڑا کرتی ہے اور انسان اپنی اوقات، مرتبے اور صلاحیت کے مطابق خیر اور شر کا انتخاب کرتا ہے۔

میں ایک کم عقل دنیا دار شخص ہوں، لہٰذا میں نہیں جانتا عربوں کا تصور درست تھا، اہل روم کا خیال صحیح تھا یا پھر اہل یونان درست سوچتے تھے لیکن مجھے اتنا معلوم ہے اللہ تعالیٰ، قدرت یا آسمانی طاقتیں اپنے بندوں پر ایسے لمحے ضرور اتارتی ہیں جب ان کا ایک فیصلہ انہیں عظیم یا بدترین بنا دیتا ہے، یہ وہ لمحہ اور یہ وہ فیصلہ ہوتا ہے جب ایک شخص حضرت حسینؓ بن جاتا ہے اور دوسرا یزید، جب ایک شخص

دنیا کی ہر اچھائی محروم طبقوں سے ہو کر بالائی طبقوں تک پہنچتی ہے اور برائی ہمیشہ بالائی طبقوں سے زیریں طبقوں تک آتی ہے

ٹیپو سلطان بنتا ہے اور دوسرا میر صادق، جب ایک شخص اسامہ بن لادن بنتا ہے اور دوسرا بش۔ قدرت خیر اور شر کے اس انتخاب، دائیں اور بائیں کی پسند اور منفی اور مثبت کے اس چناؤ کا موقع دنیا کے ہر شخص کو دیتی ہے اور اس ایک لمحے کا فیصلہ انسان کی ذلت اور عظمت کا تعین کرتا ہے۔ دنیا کے تمام بڑے، عظیم اور شاندار لوگ اسی ایک لمحے سے نکلے ہیں اور دنیا کے تمام برے، بدبخت اور قابل ملامت اشخاص بھی اس لمحے کی پیداوار ہیں۔ دنیا کا ہر انسان محض ایک انسان ہوتا ہے لیکن یہ اس قیمتی لمحے کا وہ فیصلہ ہوتا ہے جو ہمیں اچھا یا برا بناتا ہے، جو ہمیں پہاڑوں سے بلند، سونے سے قیمتی اور دیوتاؤں سے مضبوط بناتا ہے اور جو ہمیں طبعی زندگی کے دائرے سے نکال کر تاریخ کا حصہ بنا دیتا ہے، یہ سقراط کا وہ ''انکار'' ہوتا ہے جو مرنے کے بعد بھی اسے پانچ ہزار سال تک زندہ رکھتا ہے اور جو اس کی زندگی کو دنیا کے آخری انسان کی آخری سانس تک پھیلا دیتا ہے۔ میری پچھلے دنوں معطل چیف جسٹس افتخار محمد چودھری سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں ان کے پاس اکثر حاضر ہوتا رہتا ہوں اور وہ میرے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے ہیں۔ اس ملاقات میں انہوں نے فرمایا تھا ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اچھے فیصلے کرنے کی ہمت دیتا ہے۔ وہ انہیں ڈٹ جانے کا حوصلہ دیتا ہے اور مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے 9 مارچ 2007ء کو ایک ایسا ہی فیصلہ کرنے کا چانس دیا۔ میں نے یہ چانس ضائع نہیں ہونے دیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے استقامت بخشی اور اس استقامت کے نتیجے میں آج پورے پاکستان کے عوام میرے پیچھے کھڑے ہیں۔'' میں نے ان سے اتفاق کیا اور اس کے بعد عرض کیا ''آپ اگر 9 مارچ کو صدر مشرف کے سامنے انکار نہ کرتے تو آپ محض ایک جج ہوتے اور آج لوگ آپ کا نام تک بھول چکے ہوتے۔'' چودھری صاحب نے میری بات سے اتفاق کیا۔

دنیا کا سب سے مشکل سوال حقیقت یا سچائی ہوتی ہے، کون سچا ہے؟ کس کا موقف درست ہے اور کون سچائی پر ہے؟ یہ سوال آج تک انسان کو گمراہ کر رہا ہے لیکن اس کا جواب آج سے چودہ سو سال پہلے حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے دے دیا تھا اور یہ وہ شخص تھا جس کا دل اور جس کی روح مسلمان اور بدن مشرک تھا۔ چنانچہ جب اس کا انتقال ہوا تو نبیٔ رسالت ﷺ نے عرب کے ریگزاروں میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی تھی اور سینکڑوں صحابہ کرامؓ نے نبیٔ رسالت ﷺ کے ساتھ مل کر اس کے لئے دعائے مغفرت کی تھی۔ تاریخ بتاتی ہے مسلمان نجاشی کے پاس پناہ گزین ہوئے اور کفار مکہ نے ان لوگوں کی واپسی کے لئے نجاشی کے دربار میں سفارت بھجوائی۔ کفار مکہ نے نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کے خلاف ایک لمبی چوڑی تقریر کی۔ نجاشی نے اس تقریر کے بعد حضرت جعفر طیارؓ کو جواب دینے کا موقع دیا۔ حضرت جعفر طیارؓ کے خطاب کے بعد نجاشی نے ان سے چند سوال پوچھے، ان سوالوں میں ایک سوال تھا ''تمہارے نبی ﷺ کو ماننے والے اولین لوگ کون تھے'' حضرت جعفرؓ نے فوراً فرمایا: ''یہ مکہ کے عام لوگ ہیں، ان میں غلام ہیں، مسکین ہیں اور معاشرے کے محروم لوگ ہیں''۔ نجاشی نے فوراً کہا: ''بے شک یہ نبی سچا ہے''۔ میں نے جب یہ واقعہ پڑھا تھا تو میں نے حیرت سے سوچا تھا، نبوت کی سچائی کا عام لوگوں کے ایمان کے ساتھ کیا

تعلق؟ بڑے عرصے بعد معلوم ہوا سچائی اللہ کی وہ نعمت ہے جو سب سے پہلے محروم، مسکین اور عام لوگوں تک پہنچتی ہے اور غریب اور محروم شخص کا خیال، اس کی پسند اور اس کی رائے ہمیشہ سچی ہوتی ہے۔ قدرت ہمیشہ محروم لوگوں کی آوازوں میں بولتی ہے اور دنیا کی ہر اچھائی محروم طبقوں سے ہو کر بالائی طبقوں تک پہنچتی ہے اور برائی ہمیشہ بالائی طبقوں سے زیریں طبقوں تک آتی ہے۔ چنانچہ دنیا کے ہر نبی کو سب سے پہلے عام شخص نے تسلیم کیا تھا اور حضرت ابراہیمؑ ہوں یا حضرت محمد ﷺ، معاشرے کے بالائی طبقے سب سے آخر میں ان پر ایمان لائے تھے۔ معلوم ہوا، عام انسان کی بات کبھی غلط نہیں ہوتی اور جو حکمران عام انسان کی بات نہیں سنتا وہ کبھی عظمت کے تخت تک نہیں پہنچ پاتا۔

آپ بدقسمتی دیکھئے عظمت کی یہ دیوی آصف علی زرداری کے دروازے پر کھڑی رہی لیکن افسوس آصف علی زرداری نے یہ لمحہ کھو دیا، زرداری صاحب 28 دسمبر تک ایک عام انسان تھے، لیکن پھر قدرت نے انہیں ایک بڑا انسان، ایک عہد ساز شخصیت بننے کا موقع دیا۔ عظمت کی دیوی ساڑھے چار ماہ تک ان کے دروازے پر کھڑی رہی لیکن افسوس زرداری نے اس کی چھڑی اپنی دستار تک نہ پہنچنے دی اور اب یہ لمحے میاں نواز شریف کے دروازے پر کھڑے ہیں اور اگر میاں نواز شریف نے بھی یہ لمحے کھو دیئے تو یہ دونوں چند مہینوں میں ماضی کا قصۂ عبرت بن جائیں گے اور عظمت کے یہ لمحے ان انسانوں کے دروازوں پر جا رکیں گے جو قدرت کی چاپ سن سکتے ہیں، جو اللہ کی مہربانی کا شکر ادا کر سکتے ہیں۔ آپ عجیب بات دیکھئے، دنیا میں حکومتیں، وزیراعظم اور وزراء ہزاروں ہوتے ہیں لیکن قدرت ان میں سے کسی کسی کو لیڈر بننے کا موقع دیتی ہے اور اللہ نے پہلے یہ موقع آصف علی زرداری کو دیا تھا اور یہ لمحہ اب میاں نواز شریف کے دروازے پر کھڑا ہے اور جس دن میاں نواز شریف تمام مجبوریوں اور سمجھوتوں سے آزاد ہو کر آگے بڑھ گئے اس دن عظمت کا تاج میاں صاحب کے سر پر ہوگا اور اگر میاں صاحب نے بھی ”اگر، مگر، چونکہ اور چنانچہ“ میں یہ موقع کھو دیا تو تاریخ میں میاں نواز شریف اور آصف علی زرداری ہمسائے ہوں گے اور ان کے چہرے وقت کی گھاس اور عبرت کی ریت میں دفن ہو جائیں گے۔ پاکستان کا عام شہری ججوں کی بحالی چاہتا ہے اور جس جس شخص نے عام انسان کی اس سچائی کو نہ پہچانا، وہ ہماری آنکھ کے سامنے وقت کے قبرستان میں دفن ہو جائے گا اور جس نے آگے بڑھ کر عام انسانوں کی خواہشوں کا ہاتھ پکڑ لیا اس پر عظمت کے لمحے قربان ہو جائیں گے۔

(بشکریہ روزنامہ ”ایکسپریس“)

بقیہ: اداریہ

جو موج اور دریا کا ہوتا ہے۔ اسلامی نظام کے بغیر مسلمان ایک بجھی ہوئی شمع ہے جس کا دھواں ماحول کو تکلیف دہ بنا دیتا ہے۔

اس عظیم خاتون کا اپنی والدہ اور ساس کے نام خط پڑھنے کے بعد جس جس کے دل میں اسلام کے لیے کچھ کرنے کا جذبہ پیدا ہو، وہ اقامت دین کی جدوجہد میں جُت جائے، خصوصاً مسلمانانِ پاکستان کہ اُن کے پاس دوسرا کوئی آپشن سرے سے موجود ہی نہیں۔ حکومتی اتحاد ٹوٹنے کے بعد یہ جہاز پھر ہچکولے کھا رہا ہے۔ اسلام دشمن اتحاد ثلاثہ یعنی امریکہ، بھارت اور اسرائیل پوری طرح الرٹ ہیں۔ وہ چاہتے ہیں پاکستان اندر سے ہی زخمی ہو کر گر جائے اور پھر یہ گدھ اس پر پل پڑیں۔ ہم بند گلی میں داخل ہو چکے ہیں لیکن ہمارے پاس عصائے موسیٰ موجود ہے جس کی ضرب راستہ بنا دے گی، جس کی ضرب پہاڑوں سے چشمے رواں کر دے گی لیکن ہم اسے فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ ہم غیر نظام میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔ بہرحال مایوسی کفر ہے۔ اگر مسلمان مائیں ڈاکٹر ارشد وحید جیسی رہیں تو وہ دن دور نہیں جب اسلام دنیا میں ہر پختہ مکان اور ہر خیمہ میں اہل خانہ کی عزت یا ذلت کے ساتھ داخل ہوگا کہ یہی فرمان نبوی ہے اور وہ پتھر پر لکیر ہے اور حرف آخر ہے۔

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

جب آنحضور ﷺ نے عرب وعجم کے امتیازات کا خاتمہ فرما دیا تو ایران اور دیگر عجمی اقوام حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئیں۔ یہ لوگ اسلام کی قوت بن گئے اور فکرِ عجم اسلام کے مزاج کے ساتھ شیر وشکر ہوگئی۔ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال اسی ”فکرِ عجم“ کے امین ہیں اور ایران کا ”اسلامی انقلاب“ علامہ اقبال ہی کے افکار کا مرہونِ منت ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ڈاکٹر ابو معاذ (پی ایچ ڈی فارسی ادب) کی تازہ ترین کتاب:

اہل فارس کی فکری وعملی میراث اور علامہ اقبال

معیاری کمپیوٹر کمپوزنگ ✲ سفید کاغذ ✲ عمدہ طباعت

✲ صفحات 416 ✲ قیمت (مجلد) 250 روپے

(تنظیم اسلامی کے حلقہ جات ومقامی دفاتر اور انجمن ہائے خدام القرآن اپنے آرڈر سے مطلع فرمائیں)

مکتبہ خدام القرآن لاہور

K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-5869501

تنظیم اسلامی اسرہ تھانہ ملاکنڈ ایجنسی میں ایک روزہ دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی کے زیر اہتمام ایک روزہ دعوتی پروگرام منعقد ہوا۔ اس کا انتظام اسرہ تھانہ کے رفقاء نے باہمی مشورہ سے کیا۔ فرائض دینی کے جامع تصور کے موضوع پر تقریر کے لئے جناب حبیب علی آف غالیگے (سوات) کو دعوت دی گئی تھی۔ حبیب علی اپنے دو ساتھیوں سمیت 20 اپریل 2008ء بروز اتوار دن گیارہ بجے پہنچے۔ بعد نماز ظہر انہوں نے تین منزلہ عمارت کو سامنے رکھتے ہوئے دینی فرائض پر قرآنی آیات کے حوالے سے گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ ایمان لانے کے بعد مسلمان پر تین بنیادی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ (1) عبادت رب (2) شہادت علی الناس (دین دوسروں تک پہنچانا) (3) اقامت دین یعنی دین کو نافذ کرنا۔ انہوں نے دین و مذہب میں فرق کی بھی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ مذہب فرد کا انفرادی معاملہ ہے جبکہ دین مکمل نظام زندگی کا نام ہے جو زندگی کے انفرادی اور اجتماعی ہر دو گوشوں پر محیط ہوتا ہے۔

اسرہ کے رفقاء بالخصوص، فضل ربی شاہ اور الطاف حسین نے پروگرام کے لئے مقدور بھر دعوتی مہم چلائی۔ اس پروگرام میں تیس احباب نے شرکت کی۔ (مرتب: شیر محمد)

تنظیم اسلامی فورٹ عباس کے زیر اہتمام احتجاجی مظاہرہ

تنظیم اسلامی فورٹ عباس کے تحت تحفظ ناموس رسالتؐ کے سلسلے میں ایک احتجاجی مظاہرہ ہوا۔ مظاہرے کا آغاز صبح دس بجے فورٹ عباس کے فلائنگ کوچ اڈا سے ہوا اور اختتام دوپہر ساڑھے گیارہ بجے فوارہ چوک پر کیا گیا۔

مظاہرین نے بینرز اور ٹی بورڈز اٹھا رکھے تھے جن پر ناموس رسالتؐ کے حوالے سے عبارات درج تھیں۔ مظاہرے کے اختتام پر مقامی امیر تنظیم اسلامی جناب وقار اشرف نے مختصر خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ جب اسلام کا آغاز ہوا تو اس وقت بھی اسلام کی غربت اور اجنبیت کی حالت تھی۔ آج پھر اسلام اور مسلمانوں پر کڑا وقت آ پڑا ہے۔ کبھی پیارے رسول ﷺ کی توہین کی جاتی ہے۔ کبھی مساجد کی بے حرمتی کی جاتی ہے اور کبھی شعائر دین کی توہین ہوتی ہے۔ اس کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ دنیا میں خلافت کا نظام موجود نہیں ہے جو مسلمانوں کو عزت و سربلندی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ اگر ہم نے اپنی اصلاح نہ کی اور دنیا میں نظام خلافت قائم نہ کیا تو ہم نہ تو اپنی مسجدوں کا تحفظ کر سکیں گے نہ قرآن اور نہ ہی اپنے رسول ﷺ کے خلاف کھلنے والی غلیظ زبانوں کو بند کر سکیں گے۔ انہوں نے مظاہرے کے شرکاء سے اپیل کی کہ وہ تنظیم اسلامی کا ساتھ دیں، تاکہ اس ملک میں اسلامی انقلاب برپا کیا جاسکے۔

(رپورٹ: ابرار اشرف)

تنظیم اسلامی حلقہ گوجرانوالہ کے زیر اہتمام دو روزہ تربیتی پروگرام

26 اپریل 2008ء بعد از نماز مغرب تا 27 اپریل 2008ء قبل از ظہر مسجد نمرہ گوجرانوالہ (مرکز) میں تربیت گاہ کا انعقاد ہوا، جس میں حلقہ گوجرانوالہ کے تمام رفقاء کی شرکت کو لازمی قرار دیا گیا تھا۔ نماز کے بعد جناب مختار حسین فاروقی نے جو درس کے لئے جھنگ سے تشریف لائے تھے، سورۂ نور کے آخری رکوع کے حوالے سے تذکیری درس دیا۔ نیز انہوں نے ”اسرہ میں نقیب کی ذمہ داریاں اور مشکلات“ کے موضوع پر بھی اظہار خیال کیا۔ جناب نعیم صفدر بھٹہ اور نعیم اشرف نے بھی اسی موضوع پر بات کی۔ نماز عشاء اور کھانے کے وقفے کے بعد اسرہ نارووال کے نقیب نے نفاق کے حوالے سے گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ نفاق کا سب سے بڑا سبب ایمان کی کمزوری ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ سوچ عام ہے کہ دین کا کام تو فارغ آدمی کرے۔ دنیا میں اتنے کام ہیں کہ دین کے لئے وقت نکالنا مشکل ہے۔ انہوں نے ایک اسلامی نظم جماعت میں اطاعت کا تصور واضح کیا اور بتایا کہ نظم بالا کی حکم عدولی کو معمولی نہ سمجھا جائے۔ یہ نفاق کی ایک علامت بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح میں اور آپ ایک دینی جماعت کا کارکن ہوتے ہوئے بھی خسارے کا سودا کر سکتے ہیں۔ آخر میں خادم حسین نے تہجد کی اہمیت بیان کی اور سونے سے پہلے نبی پاک ﷺ کے اعمال مبارکہ کا ذکر کیا۔ اس کے بعد آرام کا وقفہ ہوا۔

اگلے دن صبح ساڑھے تین بجے سے رفقاء نے تہجد ادا کئے۔ نماز فجر کے بعد محمد افضل نے درسِ قرآن دیا۔ درس کے بعد ناشتے کا اہتمام تھا۔ بعد ازاں شاہد رضا نے حلقہ گوجرانوالہ مرکز کی مالیاتی رپورٹ پیش کی اور رفقاء میں انفاق کی اہمیت کو اجاگر کیا اور اس کی ترغیب دلائی۔ اس کے بعد جنید نذیر نے منہج انقلاب نبوی ﷺ پر روشنی ڈالی۔ دعوتی تحریک کیا ہے؟ اس موضوع پر مختلف اسروں اور تنظیم کے رفقاء نے گفتگو کی۔ جن میں ڈاکٹر شفیق بیگ، خورشید نبی نور اور فیصل وحید شیخ شامل ہیں۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اس مجلس کا بھی اختتام ہو گیا۔ اب تمام رفقاء گوجرانوالہ جی ٹی روڈ پر جمع ہوئے اور منکرات کے خلاف ایک پر امن مظاہرہ کیا جو لگ بھگ ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ (رپورٹ: اعجاز عنصر)

تنظیم اسلامی کورنگی کراچی کے زیر اہتمام شب بیداری

نئے نظام العمل میں تنظیم کے ماہانہ تربیتی پروگرام کو ترجیحاً شب بیداری کی صورت میں کرنے کی ترغیب دی گئی۔ الحمد للہ تنظیم اسلامی کورنگی کی شوریٰ نے اس فیصلے کی افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے 26 اپریل بروز ہفتہ کو ماہانہ تربیتی شب بیداری کا انعقاد کیا۔ اس پروگرام کا آغاز رات دس بجے ہوا۔ پروگرام کی میزبانی اُسرہ ابوبکر صدیقؓ کی تھی، جس کے نقیب انوار علی ہیں۔ پروگرام کا آغاز حافظ عبدالصمد الطاف نے سورۃ الفتح کی آیات 28، 29 کی تلاوت و ترجمہ سے کیا۔ مقامی ناظم تربیت انوار علی نے ابتدائی کلمات میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ کی توفیق سے آج ہم خالص اُس کی رضا کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے رفقاء کو پروگرام میں شرکت کے حوالے سے چند ضروری ہدایات دیں۔ اس کے بعد ناظم حلقہ سندھ زیریں جناب انجینئر نوید احمد نے منتخب نصاب نمبر 2 کا تعارف مذاکرے کی صورت میں پیش کیا جو بڑا دلچسپ رہا۔ مقامی ناظم نشر و اشاعت محمد یوسف صدیقی نے سیرتِ صحابہؓ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طریقوں کو اپنانا ہوگا۔ اُنہوں نے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے چند سبق آموز واقعات بھی سنائے۔ اس کے بعد نئے نوجوان رفیق کاظم عثمان نے سونے کے مسنون طریقہ کی وضاحت کی اور رفقاء کو ان پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔ بعد ازاں تمام رفقاء کو 20 منٹ دیئے گئے تاکہ ایک دوسرے سے تعارف اور ملاقات کر سکیں۔ 12 بجے سونے کا وقفہ ہوا۔ رات ساڑھے تین بجے رفقاء کو تہجد کے لئے بیدار کیا گیا۔ نوافل کے بعد مقامی امیر تنظیم انجینئر نعمان اختر نے دعائے استخارہ کی اہمیت کو اُجاگر کیا جس کو رفقاء نے اُسروں کی شکل میں یاد کیا۔ نمازِ فجر کے بعد ناظمِ تربیت انوار علی نے بڑی دل سوزی کے ساتھ ”جہنم اور جہنمی“ کے موضوع پر قرآن و حدیث کے ذریعے سے تذکیر کروائی۔ اُنہوں نے جہنم کی ہولناکیوں اور جہنمیوں پر عذاب کی کیفیات کو واضح کیا۔ تذکیر بالقرآن کے بعد تمام نقباء نے اپنے اپنے اسروں کی دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا۔ راقم نے درسِ حدیث کی ذمہ داری ادا کی، جس کا موضوع ”جنت اور جنتی“ تھا۔ اس میں راقم نے پہلے جنت کی راحتیں اور نعمتیں بیان کیں اور پھر جنتیوں کی کیفیات کو بیان کیا۔ آخر میں مقامی امیر انجینئر نعمان اختر نے رات سے صبح تک کے پروگرامات کا خلاصہ بیان کیا اور شرکاء کی

تنظیم اسلامی اسرہ تھانہ ملاکنڈ ایجنسی میں ایک روزہ دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی کے زیر اہتمام ایک روزہ دعوتی پروگرام منعقد ہوا۔اس کا انتظام اسرہ تھانہ کے رفقاء نے باہمی مشورہ سے کیا۔فرائض دینی کے جامع تصور کے موضوع پر تقریر کے لئے جناب حبیب علی آف غالیگے (سوات) کو دعوت دی گئی تھی۔حبیب علی اپنے دو ساتھیوں سمیت 20اپریل 2008ء بروز اتوار دن گیارہ بجے پہنچے۔بعد نماز ظہر انہوں نے تین منزلہ عمارت کو سامنے رکھتے ہوئے دینی فرائض پر قرآنی آیات کے حوالے سے گفتگو کی۔انہوں نے کہا کہ ایمان لانے کے بعد مسلمان پر تین بنیادی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔(1) عبادت رب (2) شہادت علی الناس (دین دوسروں تک پہنچانا) (3) اقامت دین یعنی دین کو نافذ کرنا۔ انہوں نے دین و مذہب میں فرق کی بھی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ مذہب فرد کا انفرادی معاملہ ہے جبکہ دین مکمل نظام زندگی کا نام ہے جو زندگی کے انفرادی اور اجتماعی ہر دو گوشوں پر محیط ہوتا ہے۔

اسرہ کے رفقاء بالخصوص، فضل ربی شاہ اور الطاف حسین نے پروگرام کے لئے مقدور بھر دعوتی مہم چلائی۔اس پروگرام میں تیس احباب نے شرکت کی۔ (مرتب:شیر محمد)

تنظیم اسلامی فورٹ عباس کے زیر اہتمام احتجاجی مظاہرہ

تنظیم اسلامی فورٹ عباس کے تحت تحفظ ناموس رسالتؐ کے سلسلے میں ایک احتجاجی مظاہرہ ہوا۔مظاہرے کا آغاز صبح دس بجے فورٹ عباس کے فلائنگ کوچ اڈا سے ہوا اور اختتام دوپہر ساڑھے گیارہ بجے فوارہ چوک پر کیا گیا۔

مظاہرین نے بینرز اور ٹی بورڈز اٹھا رکھے تھے جن پر ناموس رسالتؐ کے حوالے سے عبارات درج تھیں۔مظاہرے کے اختتام پر مقامی امیر تنظیم اسلامی جناب وقار اشرف نے مختصر خطاب کیا۔انہوں نے کہا کہ جب اسلام کا آغاز ہوا تو اس وقت بھی اسلام کی غربت اور اجنبیت کی حالت تھی۔آج پھر اسلام اور مسلمانوں پر کڑا وقت آ پڑا ہے۔کبھی پیارے رسول ﷺ کی توہین کی جاتی ہے۔کبھی مساجد کی بے حرمتی کی جاتی ہے اور کبھی شعائر دین کی توہین ہوتی ہے۔اس کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ دنیا میں خلافت کا نظام موجود نہیں ہے جو مسلمانوں کو عزت و سربلندی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔انہوں نے متنبہ کیا کہ اگر ہم نے اپنی اصلاح نہ کی اور دنیا میں نظام خلافت قائم نہ کیا تو ہم نہ تو اپنی مسجدوں کا تحفظ کر سکیں گے نہ قرآن اور نہ ہی اپنے رسول ﷺ کے خلاف کھلنے والی غلیظ زبانوں کو بند کر سکیں گے۔انہوں نے مظاہرے کے شرکاء سے اپیل کی کہ وہ تنظیم اسلامی کا ساتھ دیں، تا کہ اس ملک میں اسلامی انقلاب برپا کیا جا سکے۔

(رپورٹ:ابرار اشرف)

تنظیم اسلامی حلقہ گوجرانوالہ کے زیر اہتمام دو روزہ تربیتی پروگرام

26اپریل 2008ء بعد از نماز مغرب تا 27اپریل 2008ء قبل از ظہر مسجد نمرہ گوجرانوالہ (مرکز) میں تربیت گاہ کا انعقاد ہوا،جس میں حلقہ گوجرانوالہ کے تمام رفقاء کی شرکت کو لازمی قرار دیا گیا تھا۔نماز کے بعد جناب مختار حسین فاروقی نے جو درس کے لئے جھنگ سے تشریف لائے تھے، سورۂ نور کے آخری رکوع کے حوالے سے تذکیری درس دیا۔نیز انہوں نے ''اسرہ میں نقیب کی ذمہ داریاں اور مشکلات'' کے موضوع پر بھی اظہار خیال کیا۔ جناب نعیم صفدر بھٹہ اور نعیم اشرف نے بھی اسی موضوع پر بات کی۔نماز عشاء اور کھانے کے وقفے کے بعد اسرہ نارووال کے نقیب نے نفاق کے حوالے سے گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ نفاق کا سب سے بڑا سبب ایمان کی کمزوری ہے۔اور اسی وجہ سے یہ سوچ عام ہے کہ دین کا کام تو فارغ آدمی کرے۔دنیا میں اتنے کام ہیں کہ دین کے لئے وقت نکالنا مشکل ہے۔انہوں نے ایک اسلامی نظم جماعت میں اطاعت کا تصور واضح کیا اور بتایا کہ نظم بالا کی حکم عدولی کو معمولی نہ سمجھا جائے۔یہ نفاق کی ایک علامت بھی ہو سکتی ہے۔اور اس طرح میں اور آپ ایک دینی جماعت کا کارکن ہوتے ہوئے بھی خسارے کا سودا کر سکتے ہیں۔آخر میں خادم حسین نے تہجد کی اہمیت بیان کی اور سونے سے پہلے نبی پاک ﷺ کے اعمال مبارکہ کا ذکر کیا۔اس کے بعد آرام کا وقفہ ہوا۔

اگلے دن صبح ساڑھے تین بجے سے رفقاء نے تہجد ادا کی۔نماز فجر کے بعد محمد افضل نے درسِ قرآن دیا۔درس کے بعد ناشتے کا اہتمام تھا۔بعد ازاں شاہد رضا نے حلقہ گوجرانوالہ مرکز کی مالیاتی رپورٹ پیش کی اور رفقاء میں انفاق کی اہمیت کو اجاگر کیا اور اُس کی ترغیب دلائی۔اس کے بعد جنید نذیر نے منہج انقلاب نبوی ﷺ پر روشنی ڈالی۔دعوتی تحریک کیا ہے؟اس موضوع پر مختلف اسروں اور تنظیم کے رفقاء نے گفتگو کی۔جن میں ڈاکٹر شفیق بیگ، خورشید نبی نور اور فیصل وحید شیخ شامل ہیں۔تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اس مجلس کا بھی اختتام ہو گیا۔اب تمام رفقاء گوجرانوالہ جی ٹی روڈ پر جمع ہوئے اور منکرات کے خلاف ایک پرامن مظاہرہ کیا جو لگ بھگ ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ (رپورٹ:اعجاز عنصر)

تنظیم اسلامی کورنگی کراچی کے زیر اہتمام شب بیداری

نئے نظام العمل میں تنظیم کے ماہانہ تربیتی پروگرام کو ترجیحاً شب بیداری کی صورت میں کرنے کی ترغیب دی گئی۔الحمد للہ تنظیم اسلامی کورنگی کی شوریٰ نے اس فیصلے کی افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے 26اپریل بروز ہفتہ کو ماہانہ تربیتی شب بیداری کا انعقاد کیا۔اس پروگرام کا آغاز رات دس بجے ہوا۔پروگرام کی میزبانی اُسرہ ابوبکر صدیقؓ کی تھی، جس کے نقیب انوار علی ہیں۔

پروگرام کا آغاز حافظ عبدالصمد الطاف نے سورۃ الفتح کی آیات 28، 29 کی تلاوت و ترجمہ سے کیا۔مقامی ناظم تربیت انوار علی نے ابتدائی کلمات میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ کی توفیق سے آج ہم خالص اُس کی رضا کے لئے جمع ہوئے ہیں۔انہوں نے رفقاء کو پروگرام میں شرکت کے حوالے سے چند ضروری ہدایات دیں۔اس کے بعد ناظم حلقہ سندھ زیریں جناب انجینئر نوید احمد نے منتخب نصاب نمبر 2 کا تعارف مذاکرے کی صورت میں پیش کیا جو بڑا دلچسپ رہا۔مقامی ناظم نشر و اشاعت محمد یوسف صدیقی نے سیرت صحابہؓ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طریقوں کو اپنانا ہوگا۔انہوں نے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے چند سبق آموز واقعات بھی سنائے۔اس کے بعد نئے نوجوان رفیق کاظم عثمان نے سونے کے مسنون طریقہ کی وضاحت کی اور رفقاء کو ان پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔ بعد ازاں تمام رفقاء کو 20 منٹ دیئے گئے تا کہ ایک دوسرے سے تعارف اور ملاقات کر سکیں۔12 بجے سونے کا وقفہ ہوا۔رات ساڑھے تین بجے رفقاء کو تہجد کے لئے بیدار کیا گیا۔نوافل کے بعد مقامی امیر تنظیم انجینئر نعمان اختر نے دعائے استخارہ کی اہمیت کو اُجاگر کیا جس کو رفقاء نے اُسروں کی شکل میں یاد کیا۔نماز فجر کے بعد ناظم تربیت انوار علی نے بڑی دل سوزی کے ساتھ ''جہنم اور جہنمی'' کے موضوع پر قرآن و حدیث کے ذریعے سے تذکیر کروائی۔انہوں نے جہنم کی ہولناکیوں اور جہنمیوں پر عذاب کی کیفیات کو واضح کیا۔

تذکیر بالقرآن کے بعد تمام نقباء نے اپنے اپنے اسروں کی دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا۔راقم نے درسِ حدیث کی ذمہ داری ادا کی، جس کا موضوع ''جنت اور جنتی'' تھا۔اس میں راقم نے پہلے جنت کی راحتیں اور نعمتیں بیان کیں اور پھر جنتیوں کی کیفیات کو بیان کیا۔آخر میں مقامی امیر انجینئر نعمان اختر نے رات سے صبح تک کے پروگرامات کا خلاصہ بیان کیا اور شرکاء کی